حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی تعلیمات

تزکیۂ نفس کے پس منظر میں

جمع و ترتیب

ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط

ناشر

ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل

نئی دہلی

طبع اول

ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ - ستمبر ۲۰۱۶ء

کتاب : حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی تعلیمات - تزکیۂ نفس کے پس منظر میں

جمع وترتیب: ڈاکٹر شاہ عبادالرحمٰن نشاط (سابق پروفیسر ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ)

صفحات : ۱۳۵

تعداد : ایک ہزار (۱۰۰۰)

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، رائے بریلی، یوپی

اور دہلی کے دیگر کتب خانے

ناشر :

ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل

ایچ - ۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

فہرست

(۵) صحبت شیخ کے آداب

(۵۲-۵۶)

(۶) ذکر اللہ

(۵۷-۶۰)

(۷) ذکر جہری و ذکر قلبی

(۶۱-۶۳)

(۸) ذکر کے اثرات وعلامات

(۶۴-۷۰)

(۹) ذکر کے آداب

(۱۰) ذکر کیسے کیا جائے؟

(۱۱) توبہ

(۱۲) دعاء

(۱۳) نیت
(۸۹-۹۱)

(۱۴) حضرت رائے پوریؒ کا طریقۂ تربیت
(۹۲-۱۰۴)

(۱۵) سلوک میں ضروری احتیاط و پرہیز
(۱۰۵-۱۱۱)

(۱۶) متفرقات

(۱۱۲-۱۲۵)

حضرت رائے پوریؒ کی تعلیمات کا خلاصہ

(۱۲۶-۱۲۹)

وقت کا سب سے بڑا ضروری کام

’’مسلمانوں کے حالات کے اس وسیع مطالعہ اور اپنی زندگی کے اس طویل تجربہ نے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کو اس نتیجہ پر پہنچا دیا اور آپ کا یہ یقین اور عقیدہ بن گیا کہ مسلمانوں کی پوری زندگی اور اس کے مختلف شعبوں کے فساد کا اصل سبب اخلاص کی کمی اور اخلاق کا بگاڑ ہے، اور وقت کا سب سے بڑا ضروری کام اخلاص واخلاق کا پیدا کرنا ہے، اور اس کا سب سے مؤثر ذریعہ محبت ہے، اور اس کا ذریعہ ذکر وصحبت ہے۔‘‘

-حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ)

پیش لفظ

بسم اللّٰہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے، جن سے میرا اصلاح وتربیت کا خادمانہ تعلق تھا، مجھ سے ایک سے زیادہ مرتبہ یہ بات فرمائی تھی اورتاکیداً فرمائی تھی کہ تصوف کے سلسلے میں لوگوں میں جو غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں، ان کو دور کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ انہوں نے مجھ بے بضاعت سے ایک بار یہاں تک فرمایا تھا کہ اب یہ تم لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ ان کا خیال تھا کہ جہاں یہ ضروری ہے کہ تصوف میں درآنے والے غلط افکار واعمال کا، جن کے پیچھے مفاد پرست صوفی نما پیشہ وروں کا ہاتھ ہے یا ان ناپختہ کار لوگوں کا جو مقصد اور ذرائع کے فرق میں تمیز نہیں رکھ سکے، رد کیا جائے، وہیں یہ بھی انتہائی ضروری بلکہ ناگزیر ہے کہ اصلاح نفس اور تزکیۂ باطن کا یہ باب نہ صرف کھلا رکھا جائے بلکہ اسے افراد کے اخلاق کی تعمیر اور صلاح وللّٰہیت پر مبنی معاشرہ کی تشکیل میں وہ مقام دیا جائے جو اس کا حق ہے۔ حضرتؒ کا خیال تھا کہ اگر لوگوں کی نگاہوں سے تزکیۂ نفس کی ضرورت واہمیت اوجھل ہوگئی اور اس کے لئے اخلاص سے کی جانے والی کوششوں پر سے ان کا اعتماد اٹھ گیا تو امت مسلمہ میں دین کا نام لینے والوں کی بھیڑ تو سامنے آسکتی ہے لیکن ان میں للّٰہیت، فکر آخرت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے وجدانی محبت، کیفیت احسان اور اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کی تمنا میں اپنی زندگی کی تعمیر نو کے جذبہ کا جوہر عنقا ہوگا۔ پھر ان کی وقعت نہ دنیا میں ہوگی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ’سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ‘ از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ)۔

حضرتؒ کے فرمانے سے میں نے اس موضوع پر اکابر صوفیاء کے ارشادات کو ایک کتابی شکل میں مرتب کرنے کی نیت تو کر لی تھی اور اس دوران میں تصوف پر مجھے جو کتابیں مل سکیں انہیں حاصل کرنے اور ان کا مطالعہ کرنے کی فکر بھی کی تھی، لیکن یہ موضوع جتنا حساس ہے اس کے پیش نظر مجھے اس پر قلم اٹھانے کی کبھی ہمت نہیں پڑی۔ لیکن جیسا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، ایک دن میرا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ اگر مرشدنا حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ان ارشادات کو ایک کتابی شکل میں جمع کیا جائے جو اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفس سے متعلق ہیں تو نہ صرف تصوف کے سلسلے میں پھیلی ہوئی عمومی غلط فہمیوں کی عقدہ کشائی ہو سکے گی، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو ان کے ارشادات سے ذوق کی مناسبت رکھنے والے قارئین کو بھی فائدہ ہوگا۔ ان سب کے ساتھ اس کام سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی اس خواہش کی تکمیل کی ایک شکل بھی پیدا ہو سکے گی جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔

تصوف کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے میں نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ارشادات کا جو انتخاب کیا، اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اولاً وہ تصوف کے صرف قدردان ہی نہیں تھے، بلکہ اس پر پورے طور پر عامل اور اس میدان میں اعلیٰ درجہ کے محقق بھی تھے۔ انہوں نے چودہ برس پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے شیخ و مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کی خدمت میں رہ کر اپنی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے بے لوث محنت کی تھی اور تصوف و سلوک کے اصولوں کو برتا تھا۔ پھر وہ اِسی دور کے بزرگ تھے۔ ان کے نقوش قدم ابھی زندہ و تابندہ ہیں۔ ان کا انتقال ۱۹۶۲ء میں ہوا تھا۔ ان کے دیکھنے والے کتنے لوگ ابھی زندہ ہیں اور ان میں کتنے ایسے بھی ہیں جنہوں نے ان سے للّٰہیت، اخلاص اور احسان کا سبق پڑھا تھا اور ہمارے ہی زمانے میں دین کی خدمت میں ملّی سطح پر قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور ان جیسے بہتیرے علماء ربانی انہیں کے دست گرفتہ اور تربیت یافتہ تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد نے اصلاح و تربیت کے میدان میں ان سے استفادہ کیا تھا، جس کا صحیح اندازہ صرف

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ان سب کی رہنمائی کے لئے انہوں نے جو تربیتی اصول اور طریقے اپنائے تھے وہ تصوف وسلوک کا جوہر ہی تھے۔ان سب کے علاوہ علماء اور صلحاء کا جو اعتماد ان کو حاصل ہوا اس کا تقاضہ ہے کہ ان کے ارشادات کو اس میدان کے ایک محقق کا ذاتی تجربہ تسلیم کیا جائے اور انہیں قدر دانی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

حضرت رائے پوریؒ کے یہاں سلوک وتزکیۂ نفس کا تصور بالکل صاف اور واضح تھا۔ توحید ورسالت اور شریعت مطہرہ کی تعلیمات پر رسوخ کے ساتھ ایمان اور ان پر وجدانی یقین مقصود تھا، اور تزکیۂ نفس کے لئے اپنائے جانے والے اوراد واذکار اور اس سلسلے کے دوسرے اعمال اور اصولوں کی حیثیت ذرائع کی تھی۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر طالب حق کے اندر یہ بات پیدا ہو جائے کہ وہ صحیح عقیدے کے ساتھ فرائض وسنن کا اہتمام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ایسا استحضار پیدا کرلے جس کی بناء پر اس کے لیے اعمال صالحہ کا اپنانا اور رذائل سے دامن بچانا ممکن ہو جائے تو وہ شریعت کی صاف اور سیدھی شاہ راہ پر پڑ جائے گا اور اس کے قدم صحیح سمت میں اٹھیں گے۔

اس بات کے لیے کہ طالب حق کے لئے یہ راہ آسان ہو جائے حضرتؒ یہ ضروری سمجھتے تھے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی محبت پیدا ہو جائے کہ اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی رضاء کے کاموں کو کرنے کا مضبوط داعیہ پیدا ہو جائے، چاہے اس میں مجاہدہ ہو ،اور وہ نفس کے غیر شرعی تقاضوں کو قابو میں رکھ سکے، چاہے اس پر بوجھ پڑے۔ وہ فرماتے تھے کہ محبت الٰہی پیدا کرنے کے دو اہم طریقے ہیں: کسی ایسے اللہ والے کی صحبت جسے محبت الٰہی حاصل ہو اور جو اس راہ میں دوسروں کی رہنمائی کرسکتا ہو، اور ذکر اللہ کی کثرت۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر کوئی طالب حق ان دونوں باتوں کا اہتمام کرسکے اور اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی دستگیری کرے تو اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ دین ودنیا کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضاء اور اس کے استحضار ودھیان کے ساتھ کرنے لگے گا۔ اس طرح اصلاح نیت اور اللہ تعالیٰ کے ہمہ وقت دھیان کی برکت سے وہ اخلاص اور احسان کی کیفیت سے بھی مشرف ہوگا۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ جب ایمان ویقین میں رسوخ، فکرآخرت کا استحضار، تصحیح نیت کا اہتمام اور اخلاص واحسان کا حصول طالب حق کا مقصود قرار پایا تو ان کے حاصل کرنے کے طریقے (اذکار واوراد وصحبت وغیرہ) بھی اسی درجے میں ضروری ہو جاتے ہیں۔ جس طرح علم دین کے حصول کے لئے کسی یونیورسٹی کا قیام، اس میں داخلہ کے ضوابط، کتابوں کا تعین، گھنٹوں کا نظم اور اس سلسلے کی بے شمار جزویات سے اس بناء پر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ طریقے دور نبوت میں نہیں اپنائے جاتے تھے، بلکہ انہیں علم دین (جس کا اسلام میں اعلیٰ مقام مسلّم ہے) کے حصول کے لئے معاون وضروری ذرائع کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے، اسی طرح تعلق مع اللہ، اخلاص نیت اور استحضار کے ساتھ اعمال صالحہ کے اہتمام کے مقصد کے حصول کے لئے جو ذرائع اختیار کئے جائیں گے، ان پر اس وجہ سے نکیر نہیں کی جائے گی کہ وہ دور نبوت میں بعینہ اسی شکل میں نہیں اپنائے جاتے تھے۔ پھر جب وہ ذرائع شرعی احکام سے کسی طرح متصادم نہ ہوں اور ان کی افادیت پر صدیوں کے تجربات شاہد ہوں تو ان کی نکیر کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس موضوع پر سیر حاصل بحث اس کتاب میں شامل حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مضمون میں درج ہے جسے خصوصاً اسی افادیت کے پیش نظر اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

حضرت رائے پوریؒ کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف کا مقصد لوگوں کو زندگی کے تقاضوں سے دور کر کے گوشہ نشینی اختیار کرنے کی دعوت دینا نہیں، بلکہ ان کے اندر اخلاص وللّٰہیت کا جوہر پیدا کرنا ہے تاکہ وہ کارگاہِ حیات میں جو کام بھی کریں، اس میں اللہ کی رضاء اور فکرآخرت ان کے پیش نظر ہو۔ وہ فرماتے تھے کہ علماء، کاشتکار، تجار، ملازم پیشہ اور دیگر سارے افراد اپنے اپنے کام میں لگے رہیں۔ سب بس اتنا کریں کہ اپنا اپنا کام اللہ تعالیٰ کے حکم ورضاء کے مطابق کرنا سیکھ لیں اور اس میں رسوخ پیدا کرلیں۔ خود حضرتؒ ایک گوشہ نشین بزرگ تھے لیکن ملک وبیرون ملک کے حالات سے ایسے واقف تھے اور حالات حاضرہ پر ایسی صائب رائے رکھتے تھے جیسے زندگی اسی کوچے میں گزری ہو۔ اخبار بینی کو اپنا وظیفہ فرماتے تھے، صحیح نیت کے ساتھ جدید تعلیم کی اہمیت کے قائل

تھے، صحیح مقصد رکھنے والی تنظیموں اور تحریکوں کی سرپرستی فرماتے تھے اور دعوت فکر و عمل کی بنیاد پر امت مسلمہ کی تشکیل کے خواہاں تھے۔ جاننے والے واقف ہیں کہ ہندو پاک کی تقسیم کے خوں چکاں دور میں جب یو پی میں سہارنپور، مظفرنگر اور انکے گرد و نواح کے اہم علاقوں سے خوف زدہ مسلمانوں کا انخلاء اور ہجرت ایک مہیب حقیقت بن چکی تھی جس کے نتیجے کے طور پر دوسرے علاقوں سے بھی مسلمانوں کا قدم اکھڑ جانا ایک یقینی بات تھی، اس وقت مسلمانوں کو سنبھالنے اور انہیں ہندوستان میں قیام کرنے کے لئے آمادہ کرنے میں حضرتؒ کا بڑا ہاتھ تھا۔ یہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا ہندوستان ہی میں رہنے اور دین وملت کی خدمت کرنے کا متفقہ فیصلہ اور اعلان تھا جس نے اس پورے علاقے کے خوف زدہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائی اور بندھے ہوئے بستر کھل گئے۔ آج ان علاقوں میں حیات اسلامی کے جو نشانات نظر آتے ہیں، وہ انہیں بوریہ نشین اور خانقاہ گزین بزرگوں کی للّٰہیت، دعاء اور کوششوں کا صدقہ ہے۔

حضرت رائے پوریؒ کی مسلمانوں کی سیاسی اور ملّی مسائل سے دلچسپی، ان کے حل کی فکر اور جو لوگ اس میدان میں کارگر ہو سکتے تھے ان کی رہنمائی اور ہمت افزائی - یہ ساری باتیں اپنی جگہ پر تھیں - لیکن ان کی اپنی زندگی اللہ سے عشق، رسول اللہ ﷺ سے محبت، صحابۂ کرامؓ کی للّٰہیت اور حقانیت پر غیر متزلزل یقین اور اپنے بزرگوں پر اعتماد اور ان کے لئے جذبۂ احسان مندی کے نور سے اس طرح معمور تھی کہ اس دور میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اخلاق کی بلندی اور روحانیت میں کمال میں ان کو وہ درجہ حاصل تھا جس سے دور سابقہ کے اکابرین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ اللہ کی محبت اس طرح ان کے دل میں جاگزیں ہوگئی تھی اور ذکر اللہ کے اثرات اس طرح قلب و جوارح میں سرایت کر گئے تھے کہ ان کی پوری شخصیت خیر و برکت کا مرقع نظر آتی تھی۔ جن نگاہوں میں ان باتوں کو دیکھنے اور جن قلوب میں ان کو محسوس کرنے کی اہلیت تھی، وہ سب اس کی شہادت دے رہے تھے۔ ان کے بزرگوں میں حضرت خلیفہ صاحب دین پوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا خلیل سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، اور ان کے دور کے دوسرے اہل اللہ میں حضرت مولانا احمد علی

لاہوریؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا ان کے ساتھ محبت اور قدر دانی کا جو معاملہ تھا وہ ان کی سوانح حیات کا حصہ ہے۔ جب اللہ چاہتا تھا تو وہ گرد و پیش کے حالات اور لوگوں کے قلبی کیفیات و واردات کا اس طرح مشاہدہ کر لیتے تھے جیسے وہ اللہ کے نور سے دیکھ رہے ہوں اور زندگی اور اس کے کردار ان کے سامنے ایک کھلی کتاب ہوں۔ لیکن وہ ان باتوں کو نہ کبھی اہمیت دیتے تھے اور نہ کبھی اشارتاً بھی ان کا اظہار فرماتے تھے، جس کے ذاتی تجربہ میں جو بات آ گئی، آ گئی۔ باقی آنے جانے والوں اور ہمہ وقت حاضر رہنے والوں کو جو نظر آتا تھا وہ ان کی بے نفسی اور اپنی ذات کی نفی تھی۔ بڑے پیمانے پر رجوع خاص و عام تھا لیکن انہیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے یہ کسی اور کے لئے ہو۔

یہ چند باتیں یہاں اس لئے لکھی گئی ہیں تا کہ اس کتاب کے پڑھنے والے اس استحضار کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں کہ حضرت رائے پوریؒ تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کے میدان میں امام وقت کا درجہ رکھتے تھے اور بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں، انسانی فطرت کے رجحانات اور مسائل کے دینی حل کے سلسلے میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔ موجودہ دور میں بر و بحر میں پھیلا فساد جو مہیب شکل اختیار کر گیا ہے، اس کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ان کی تعلیمات کی روشنی میں بڑے پیمانے پر افراد کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اس لئے کہ افراد ہی سے سماج کی تعمیر ہوتی ہے اور افراد میں للّٰہیت، خوف خدا اور بہی خواہی کا جذبہ پیدا کئے بغیر ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کا خواب دیکھنا انسانی فطرت سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

چونکہ زیر نظر کتاب حضرت رائے پوریؒ کی سوانح حیات نہیں ہے اس لئے اس میں ان کی زندگی کی عمومی تفصیلات، شخصیت کے خد و خال اور کام و پیغام کے وسیع اور گہرے اثرات کا کوئی خاکہ پیش کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ اس مقصد کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی تصنیف 'سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی سب سے پہلی اور سب سے مستند کتاب ہے۔ زیر نظر کتاب کا موضوع حضرت رائے پوریؒ کی اخلاقی و روحانی تعلیمات ہیں اور اس کا دائرہ ان کے ایسے ارشادات و ملفوظات تک ہی محدود رکھا گیا ہے جو اس زمرے میں آتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ چونکہ اس کتاب میں پیش کی گئی حضرتؒ کی تعلیمات ان کے وہ ارشادات ہیں جو انہوں نے اپنی مجالس میں ارشاد فرمائے ہیں۔ اس لئے ان میں قارئین کو بسا اوقات کسی مسئلہ کی تفصیلات و جزویات کے بارے میں تشنگی محسوس ہوسکتی ہے۔ ایسا ہونا جہاں قارئین کے حق میں فطری ہے، وہیں مرتب کے لئے بھی ناگزیر تھا۔ حضرتؒ کے تربیتی اصول اور ان کی روح کو مجموعی طور پر سمجھنے کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ'' اور ان پر لکھی گئی دوسری کتابیں مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔

اس کتاب میں تین چار مقامات پر (حضرت رائے پوریؒ کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے) حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مضمون کے موزوں اقتباسات کو دوبارہ پیش کیا گیا ہے۔ ایسا اس امید میں کیا گیا ہے کہ اس سے زیرِ نظر نکتہ کی وضاحت میں مدد ملے گی۔ ورنہ اصولی طور پر تکرار سے احتراز کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض جگہوں پر مشکل الفاظ کو عام فہم بنانے کی غرض سے انہیں مناسب الفاظ سے بدلا گیا ہے یا بین القوسین اسے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرتؒ کے ارشادات کے اختتام پر ان کا حوالہ دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ حوالہ میں اختصار کی نیت سے کتاب کے نام کا پہلا لفظ دیا گیا ہے۔ مثلاً ''سوانح'' سے مراد ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ'' ہے، ''فیوضات'' سے مراد ''فیوضات رائے پوریؒ'' وغیرہ۔ کتاب کے آخر میں ان کتابوں کے نام دئے گئے ہیں جن سے اس کتاب کی تیاری میں مدد لی گئی ہے۔

جن دوستوں نے اس کتاب کی تیاری میں میری مدد فرمائی، میں ان کا بہت ممنون ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدوار ہوں کہ یہ کتاب میرے، میرے رفقاء اور قارئین کرام کے لئے مغفرت اور نجات اخروی کا ذریعہ بن جائے۔ آمین۔

ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط

نئی دہلی

تصوف پر ابتدائی غور اور تجربہ

بقلم مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۶۱ھ کے اواخر یا ۱۳۶۲ھ کے اوائل میں بعض ایسے حالات سے دوچار ہوا کہ چند دن کسی ایسی جگہ رہنے کی میں نے ضرورت محسوس کی، جہاں دل و دماغ افکار و مکروہات سے محفوظ رہیں اور قلب کو کچھ سکون و اطمینان حاصل ہو۔ اس مقصد کے لئے میری نظر انتخاب اس زمانہ کے ایک صاحب ارشاد بزرگ (حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ) کی خانقاہ پر پڑی جو آبادی اور آبادیوں کے شور و شغب سے الگ تھلگ جنگل میں واقع ہے اور منظر بھی سرسبز و شاداب ہے۔ بہر حال میں وہاں پہونچ گیا۔

غالباً پہلا ہی دن تھا، مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر وہ محترم بزرگ خانقاہ کے صحن میں ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے اور از راہ شفقت و کرم مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھالیا تھا۔ یاد آتا ہے کہ کوئی تیسرا شخص اس وقت وہاں نہیں تھا۔ قریب ہی خانقاہ کی سہ دری میں چند ذاکر نفی و اثبات کا اور بعض ان میں سے اسم ذات کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب اچھے خاصے جہر کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور مشائخ سلوک کے تجویز کئے ہوئے خاص طریقوں سے قلب پر ضرب لگاتے تھے۔

اللہ کے ذکر میں جہر و ضرب کا یہ طریقہ اس وقت میرے لئے صرف نامانوس ہی نہ تھا بلکہ کسی درجہ میں گویا ناقابل برداشت تھا، چنانچہ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا:۔

’’حضرت! ساری عمر دین کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اور کتابوں میں جو دیکھا ہے

اس سے یہ سمجھا ہوا ہے کہ اصل دین صرف وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جس کی تعلیم آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دی اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعد والوں نے سیکھا اور صحیح نقل و روایت کے ذریعہ جو ان سے ہم تک پہونچا۔

اور یہ حضرات ذاکرین جس طرح جہری اور ضربی ذکر کر رہے ہیں، جہاں تک اپنا علم ہے، نہ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم فرمایا تھا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین سے اس طریقے پر ذکر کرایا اور نہ تابعین نے اپنے بعد والوں کو یہ طریقہ بتلایا تھا۔ اس لئے ذکر کے اس طریقہ کے بارے میں مجھے خلجان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اگر میرا یہ خلجان کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے۔''

ان بزرگ نے توقع کے خلاف میرے اس سوال کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے ایک عجیب انداز میں فرمایا:۔

''مولوی صاحب! یہ بے چارے جو یہاں میرے پاس آتے ہیں، یہ کسی اور کام کے نہیں ہوتے۔ بس اسی کام کے ہوتے ہیں اور اسی کے واسطے آتے ہیں، اس لئے میں ان کو یہ ہی بتلا دیتا ہوں، آپ جو کام کرتے ہیں (یعنی تقریر و تحریر سے دین کی خدمت) یہ بہت بڑا کام ہے۔ آپ تو یہی کرتے رہیں اور اس چکر میں نہ پڑیں۔''

ظاہر ہے کہ یہ میرے سوال کا جواب نہ تھا۔ لیکن ان بزرگ نے میری بات کے جواب میں اتنا ہی فرمایا اور مجھے کچھ اور عرض کرنے اور اپنے اصل سوال کی طرف مکرر توجہ دلانے کی مہلت دیئے بغیر ہندوستانی مسلمانوں کے بعض اجتماعی مسائل اور ان کے مستقبل پر گفتگو کا ایک نیا سلسلہ شروع فرما دیا جو کہ میرے لئے بھی دلچسپ تھا۔ ان کا یہ رویہ دیکھ کر پھر سے اپنے سوال کو اٹھانا میں نے مناسب نہ سمجھا اور عشاء کے قریب یہ مجلس ختم ہوگئی۔

اگلے دن مغرب کے بعد پھر یہی ہوا کہ ذاکرین نے اسی دھن کے ساتھ اپنا ذکر کرنا شروع کیا۔ مجھ سے پھر رہا نہ گیا اور میں نے اپنا کل کا سوال پھر یاد دلایا۔ لیکن آج پھر ان بزرگ نے وہی کل والا رویہ اختیار فرمایا کہ میری بات بالکل نظر انداز فرما کر ہندوستانی مسلمانوں کی غالباً ماضی اور حال کی مختلف تحریکوں پر گفتگو کا ایک لمبا سلسلہ شروع فرما دیا اور میرا سوال پھر رہ گیا۔

ان بزرگ کے رویہ سے الحمدللہ میں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا کہ چونکہ میرے سوال کا کوئی جواب ان کے پاس ہے نہیں، اس لئے یہ اس سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ بلکہ مجھے یہ خیال ہوا کہ غالباً میرے سوال کو ایک طالب صادق کا سوال نہیں سمجھا گیا ہے بلکہ ایک مبتلائے زعم و کبر کا اعتراض سمجھ کر نظر انداز فرمایا جا رہا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت اس سوال سے اپنی تشفی (جہاں تک اب یاد ہے) مقصود بھی نہ تھی، بلکہ بات کچھ اور ہی تھی۔

خانقاہ کے جس حجرے میں میرے سونے کا انتظام تھا، نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہو کر میں اس میں جا کر لیٹ گیا اور تصوف کے اس قسم کے اعمال و اشغال پر بطور خود غور کرنے لگا۔ اس غور وفکر میں خود ہی سائل تھا اور خود ہی مجیب۔ یاد آتا ہے کہ اس ذہنی بحث و مباحثہ میں دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں چاہتا تھا کہ ذہن اس مسئلہ میں بالکل یکسو ہو جائے۔ اگر میرے سوچنے میں کوئی غلطی ہو رہی ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے اور اگر میں ٹھیک طور پر سمجھ رہا ہوں تو اس بارے میں مجھے ایسا یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ میں پوری قوت سے ان چیزوں کا رد و انکار کروں اور ان باتوں کے غلط اور باطل ہونے پر ایک سچے حق پرست کی طرح اصرار کروں۔

اسی غور خوض میں دیر کے بعد میرا ذہن ایک دفعہ اس طرف منتقل ہوا کہ تصوف کے ان خاص اعمال و اشغال کو (ذکر و مراقبہ کے ان مخصوص طریقوں کو جو مشائخ کے تجویز کئے ہوئے ہیں اور اپنی قیود و اوضائع کے ساتھ سنت سے ثابت نہیں ہیں) میرا بدعت اور نادرست سمجھنا اگر صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مجدّد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم اور ان سے بھی پہلے ان جیسے بہت سے حضرات کو مجدد یا مصلح نہیں، بلکہ بدعات کا حامی اور بدعات کا رواج دینے والا ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ان حضرات نے صرف اتنا ہی نہیں کہ کسی مصلحت یا وقت کے تقاضے سے ان چیزوں کے بارے میں تسامح اور تساہل ہی برتا ہو، بلکہ ان کی تعلیم سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور ساری عمر اپنے پاس آنے والے طالبین کو انہوں نے ان ہی طریقوں سے ذکر و شغل کرا کے ان کا سلوک طے کرایا ہے۔ بلکہ ان حضرات میں سے اکثر کی زندگی میں جس قدر یہ پہلو نمایاں ہے ان کی کتابوں کے پڑھنے والے اور حالات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ

غالبا کوئی دوسرا پہلو اتنا نمایاں نہیں ہے۔ ذہن کے اس طرف منتقل ہونے کے بعد دل نے یہ فیصلہ تو جلدی کرلیا کہ مجھ جیسے کم فہم اور ناقص العلم کا کسی مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی کرنا زیادہ ممکن اور قرین قیاس ہے، بہ نسبت اس کے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ وشاہ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہما جیسے اکابر دین کی طرف غلطی کو منسوب کیا جائے۔ اور وہ بھی ایک ایسے فن سے متعلق مسئلہ میں جس کے ساتھ ہمارا تعلق تو صرف نظری ہے اور ان حضرات کا عمر بھر اس کے ساتھ گہرا عملی تعلق رہا ہے۔

دل نے اپنے خلاف یہ فیصلہ جلدی اور آسانی سے اس لئے کرلیا کہ ان حضرات کی تصانیف کے مطالعہ اور ان کے شخصی حالات اور اصلاحی وتجدیدی خدمات سے کچھ واقفیت کی وجہ سے ان کے رسوخ فی العلم، تفقہ فی الدین اور عنداللہ مقبولیت کا میں پہلے ہی سے پوری طرح قائل تھا اور میرا دل کسی طرح یہ قبول نہیں کرسکتا تھا کہ یہ سب حضرات (اپنے اپنے زمانہ میں اسرار دین کے عارف اور امت کے مجدد ہونے کے باوجود) چند بدعتوں کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خود بھی ساری عمر ان میں مبتلا رہے اور اللہ کے ہزاروں بندوں کو بھی ان میں مبتلا کرتے رہے۔ بیشک مجدد نبی کی طرح معصوم اور صاحب وحی تو نہیں ہوتا لیکن وہ بدعات کا داعی اور مروّج بھی نہیں ہوسکتا۔ خاص کر دین کے جس شعبہ میں اس کو دوسرے شعبوں سے زیادہ انہماک ہو اور وہ اس کا خاص داعی ہو اور اسی کے ذریعہ اصلاح وتجدید کا کام کررہا ہو، اس میں اگر وہ بدعت وغیرہ میں امتیاز نہ کرسکے گا تو یقیناً وہ اصلاح سے زیادہ فساد کا اور ہدایت سے زیادہ ضلالت کا باعث ہوگا۔

بہرحال یہ چند خیالی نکتے تھے جن پر پہونچ کر میرے ذہن کی الجھن کچھ کم ہوئی اور میں نے مان لیا کہ غالبا مجھ سے ہی اس مسئلہ کے سمجھنے میں کوئی غلطی ہورہی ہے، اور اب مجھے اپنی غلطی ہی کو پکڑنے اور پالینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ اس نتیجہ پر پہونچ کر میں نے اس غور وفکر کا سلسلہ اس وقت ختم کرکے سو جانے کا ارادہ کرلیا اور سو گیا۔

جن بزرگ کی خانقاہ کا یہ قصہ ہے ان کا معمول ہے کہ روزانہ نماز فجر کے بعد چند میل ٹہلتے ہیں۔ اس دن یہ عاجز بھی ساتھ ہولیا اور رات کے اپنے ذہنی مباحثہ اور اس کے نتیجہ کا

ذکر کیا اور عرض کیا:۔

''میرے دل ودماغ نے یہ تو مان لیا ہے کہ تصوف کے ان اعمال واشغال کے بارے میں جواب تک میں نے سمجھا ہے غالباً وہ صحیح نہیں ہے اور اس میں کوئی غلط فہمی مجھے ہورہی ہے۔لیکن ابھی تک میں اس غلطی کونہیں پکڑ سکا ہوں۔ چونکہ طبیعت طالب علمانہ پائی ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ یہ گرہ بھی کھل جائے اور جو خلش باقی ہے وہ بھی نکل جائے۔''

موصوف میری یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا:

''مولوی صاحب! آپ کو یہی تو شبہ ہے نہ کہ یہ چیزیں بدعت ہیں؟ یہ بتلایئے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے؟''

میں نے عرض کیا:

''بدعت کی تعریف تو علمائے کرام نے کئی طرح سے کی ہے لیکن جو زیادہ منقح اور محقق معلوم ہوتی ہے وہ یہی سیدھی سی تعریف ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ جس کے لئے شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو۔''

فرمایا: ''ہاں ٹھیک ہے، لیکن یہ بتلایئے کہ اگر دین میں کوئی چیز مقصود اور مامور بہ ہو اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہو، لیکن کسی وقت زمانہ کے حالات بدل جانے سے وہ اس طریقہ پر نہ حاصل کی جاسکتی ہو، جس طریقے سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں حاصل ہوجایا کرتی تھی، بلکہ اس کے واسطے کوئی اور طریقہ استعمال کرنے کی ضرورت پڑجائے تو کیا اس نئے طریقے کے استعمال کو بھی آپ دین میں اضافہ اور بدعت کہیں گے؟ (پھر اپنے مقصد کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے فرمایا) مثلاً دین میں سیکھنا سکھانا ضروری ہے اور دین میں اس کا نہایت تاکیدی حکم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اس کے لئے صرف صحبت کافی ہوجاتی تھی، تعلیم کے لئے کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ نہ مدرسے تھے، نہ کتابیں تھیں، لیکن بعد میں حالات ایسے ہوگئے کہ صحبت اس مقصد کے لئے کافی نہیں رہی، بلکہ کتابوں کی اور پھر مدرسوں کی بھی ضرورت پڑگئی، تو اللہ کے بندوں نے کتابیں لکھیں اور مدرسے قائم کئے اور

اس کے بعد سے دین کی تعلیم و تعلم کا سارا سلسلہ اسی سے چلا اور اب تک اسی سے قائم ہے تو کیا تعلیم و تعلم کے طریقے میں اس تبدیلی کو بھی 'دین میں اضافہ' اور بدعت کہا جائے گا؟''

میں نے عرض کیا:

''نہیں! 'دین میں اضافہ' جب ہوتا ہے، جب کہ مقصود اور امر شرعی بنا کر کیا جائے۔ لیکن اگر کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قدیمی طریقے کے ناکافی ہوجانے کی وجہ سے کوئی نیا جائز طریقہ اختیار کرلیا جائے تو اس کو 'دین میں اضافہ' نہیں کہا جائے گا اور نہ وہ بدعت ہوگا۔''

فرمایا: ''بس سلوک کے جن اعمال واشغال پر آپ کو بدعت ہونے کا شبہ ہے، ان سب کی نوعیت بھی یہی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز مقصد سمجھ کر نہیں کی جاتی، بلکہ یہ سب نفس کے تزکیہ اور تحلیہ کے لئے کرایا جاتا ہے، جو دین میں مقصود اور مامور بہ ہے۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس کی رضا کا دھیان وفکر رہنا اور اس کی طرف سے کسی وقت غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن وحدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دین کے لئے تعلیم وتربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیتیں بھی آپ ﷺ کی صحبت ہی سے حاصل ہوجاتی تھی اور حضور ﷺ کے فیضان صحبت سے صحابہ کرام کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی۔ لیکن بعد میں ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہوجانے کی وجہ سے اس مقصد کے لئے کاملین کی صحبت بھی جب کافی نہیں رہی، تو دین کے اس شعبہ کے اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لئے صحبت کے ساتھ 'ذکر وفکر کی کثرت' کا اضافہ کیا اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔

اسی طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کرکے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں نرمی پیدا کرنے کے لئے ان کے واسطے خاص خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کئے۔ اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے اور طبیعت میں رقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ضرب کا طریقہ نکالا گیا ہے۔ تو ان میں سے کسی چیز کو

بھی مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسی لئے مقصد کے حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ طریق اپنے اپنے زمانے کے حالات اور اپنے اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردوبدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لئے ان کے خاص حالات اور ان کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال و اشغال تجویز کر دیتا ہے۔ اور بعض ایسی اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس طرح کا کوئی بھی ذکر و شغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ ان کو یوں ہی نصیب فرما دیتا ہے۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورتاً کیا کرایا جاتا ہے۔''

ان بزرگ کی اس تقریر اور توضیح سے میرا وہ ذہنی خلجان تو دور ہو گیا لیکن ایک نئی پیاس یہ پیدا ہو گئی کہ یہ جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کو خود آزما کے دیکھا جائے اور اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر قلبی اطمینان اور مزید یقین حاصل کیا جائے۔ لیکن میرے حالات اور مشاغل میں اس کی گنجائش نہیں تھی کہ اس تجربہ کے لئے کوئی بڑا اور مستقل وقت دے سکوں، اس لئے میں نے بے تکلف اور صفائی سے عرض کیا:

''اگر یہ ذکر و شغل ان مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں تو پھر تو میں بھی اس کا محتاج ہوں۔ لیکن میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا کیونکہ دین کے جن دوسرے کاموں سے کچھ تعلق قائم کر رکھا ہے ان کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔''

فرمایا: ''مولوی صاحب! تصوف دین کے کام چھڑانے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے۔ لیکن کیا عرض کیا جائے کہ اللہ کی مشیئت ہے۔ جن کو اللہ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا وہ اب ادھر توجہ ہی نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ بھی وہ ادھر دے دیں تو دیکھیں کہ ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔ حضرت خواجہ (معین الدین چشتیؒ)، حضرت باوا (فرید الدین شکر گنجؒ)، اور بعد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ نے ہمارے اس

ملک میں دین کی جو خدمتیں انجام دیں اور جو کچھ کر دکھایا (جن کا سواں اور ہزارواں حصہ بھی ہماری بڑی بڑی جماعتیں اور انجمنیں نہیں کر پا رہی ہیں)، اس میں ان کے اخلاص اور قلب کی اس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوف کے راستہ سے پیدا کی گئی تھی۔ لیکن اب صورت یہ ہے کہ اس طرف صرف وہی بے چارے آتے ہیں جو بس اللہ اللہ کرنے کے کام کے ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں استعدادیں مختلف رکھی ہیں۔ ناقص استعداد کا آدمی اعلیٰ استعداد والوں کا کام نہیں کر سکتا۔''

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا: ''خدا معلوم لوگ تصوف کو کیا سمجھتے ہیں۔ تصوف تو بس اخلاص اور عشق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، اور جو کام عشق کی طاقت اور اخلاص کی برکت سے ہو سکتا ہے وہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ تو دراصل تصوف ضروری نہیں ہے بلکہ عشق اور اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی کو اس کے حاصل کرنے کا اس سے بھی آسان اور مختصر کوئی اور راستہ معلوم ہو جائے تو مبارک ہے۔ وہ اسی راستہ سے حاصل کر لے، اور ہم کو بھی بتلا دے۔ ہم تو اسی راستہ کو جانتے ہیں جس کا اللہ کے ہزاروں صادق بندوں نے سیکڑوں برس سے تجربہ کیا ہے، جن میں سیکڑوں وہ تھے جو دین کے اس شعبہ کے مجتہد بھی تھے اور صاحب الہام بھی تھے۔''

میں نے عرض کیا: ''جو شخص پہلے سے کسی دینی کام میں لگا ہوا ہو اور وہ یہ محسوس کرتا ہو کہ اسے عشق اور اخلاص نصیب نہیں ہے تو وہ کیا کسی مدت تک اس کام کو چھوڑ کے پہلے اس کی تحصیل کرے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کو بھی کرتا رہے اور اس کے ساتھ اس کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے؟''

فرمایا: ''ہاں! ہو سکتا ہے، البتہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں کچھ مدت کے لئے یکسوئی کے ساتھ اسی طرف مشغول ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

میں نے عرض کیا: ''کیا اس کے لئے بیعت ہونا بھی ضروری ہے؟''

فرمایا: ''نہیں! بالکل نہیں! ہاں طلب اور اعتماد کے ساتھ محبت اور صحبت ضروری ہے، بیعت تو صرف تعلق اور اعتماد کے اظہار کے لئے ہے، ورنہ اصل مقصد میں بیعت کو کوئی خاص

دخل نہیں ہے۔''

میں نے عرض کیا: ''پھر مجھ کو بھی کچھ فرما دیں''

فرمایا: ''مولوی صاحب! حدیث میں ہے' المستشار مؤتمن ' (جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے، اس کو پوری دیانت داری سے مشورہ دینا چاہئے)۔ میں آپ کے لئے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ اس مقصد کے لئے فلاں صاحب یا فلاں صاحب کی طرف رجوع کریں۔ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور آپ جیسے علم والوں کے لئے میں انہیں حضرات کو اہل سمجھتا ہوں۔''

میں نے عرض کیا: ''ان دو بزرگوں کی عظمت پہلے سے بھی کچھ دل میں تھی اور اب حضرتؒ کے اس ارشاد سے اور زیادہ ہوگئی ہے۔ لیکن چوں کہ مجھ میں یہ طلب پیدا نہیں ہوئی ہے اس لئے میں تو اس راستہ میں حضرت سے ہی راہنمائی حاصل کرنا اپنے لئے بہتر سمجھتا ہوں۔''

موصوف نے اپنی محبت اور شفقت کے پورے اظہار کے ساتھ ایک یا دو دفعہ پھر انہیں دو بزرگوں کا حوالہ دیا، لیکن جب میں نے ادب کے ساتھ اپنی ہی بات پر اصرار کیا تو قبول فرما لیا اور میری مصروفیتوں کا پورا لحاظ فرماتے ہوئے ذکر وغیرہ کا بہت ہی مختصر سا پروگرام تجویز فرما دیا اور میں نے کرنا شروع کر دیا۔

تصوف اور اہل تصوف سے قریب ہونے کے بعد جن چیزوں کا یقین حاصل ہوا، ان میں سے ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا بھی پڑھا لکھا اور کیسا ہی ذہین و فطین ہو، تصوف سے صحیح واقفیت حاصل کرنے اور اس کی تفصیلات اور باریکیوں کو علی وجہ البصیرت جاننے کے لئے اس کو بھی اس کی ضرورت ہے کہ تصوف کی حامل کسی شخصیت کی صحبت اور خدمت میں اس کا کچھ وقت گزرے اور اس شعبہ کا عملی تجربہ حاصل کرنے پر بھی وہ زندگی کے کچھ دن صرف کرے۔ اس کے بغیر تصوف کو سمجھا اور جانا نہیں جا سکتا۔

جن صاحب ارشاد بزرگ کی خانقاہ میں اپنی حاضری کا ذکر گذشتہ صفحات میں راقم سطور کر چکا ہے ایک موقعہ پر میرے ہی ایک سوال کے جواب میں موصوف نے اس حقیقت کو

ان لفظوں میں ارشاد فرمایا تھا: ''گھر کے اندر کی چیزوں کا پورا علم گھر میں داخل ہو کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔''

اس میں شک نہیں کہ جی تو اپنا بھی یہی چاہتا ہے اور ہر اچھا بھلا آدمی یہی چاہے گا کہ جو شیخ خانقاہ، عارف حق آگاہ ہو وہ بلند پایہ مفسر و محدث اور بالغ النظر فقیہ و مجتہد بھی ہو، بلکہ ساتھ ہی ملت کی قیادت اور امانت کبریٰ کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی بھی پوری صلاحیتیں رکھتا ہو۔ اور اس طرح جو اچھی فکر اور نظر رکھنے والا عالم دین ہو وہ اسلامی شریعت اور قانون میں مہارت رکھنے کے علاوہ امت کی قیادت اور حکومت کے نظام کو چلانے کی اعلیٰ صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ اور مزید برآں اپنے قلب و باطن کے لحاظ سے اپنے دور کا جنید و بایزید بھی ہو۔ لیکن یہ تو صرف ہمارے جی کی چاہت اور ایک خوشگوار تمنا ہوئی اور یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں خیالات اور تمناؤں کی دنیا نہیں ہے بلکہ حقائق و واقعات کی دنیا ہے اور عملی آدمی کو اپنا طرز عمل واقعات ہی کی اس دنیا کو سامنے رکھ کر متعین کرنا چاہئے۔

جن صاحب خانقاہ بزرگ کی خدمت میں اپنی حاضری کا ذکر راقم سطور نے گذشتہ صفحات میں کیا ہے، انہیں کی زبان سے کئی بار یہ حکیمانہ ارشاد سنا ہے: ''یہ وہ زمانہ نہیں ہے کہ کسی ایک ہی دکان پر سب سودے اچھے مل سکیں گے، اس لئے جو سودا جس دکان پر اچھا ملے اس کے لئے آدمی کو اس کی دکان پر جانا چاہئے۔''

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ارشادات

(۱)
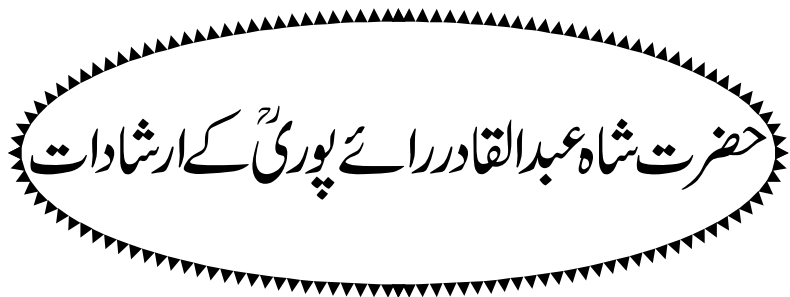
تصوف کی ضرورت اور اس کا آغاز

تصوف وسلوک کی ضرورت اور اسکی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس کی رضا کا دھیان وفکر رہنا اور اس کی طرف سے کسی وقت غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دین کی تعلیم وتربیت کی یہ ایمانی کیفیتیں بھی آپ ﷺ کی صحبت سے ہی حاصل ہوجاتی تھیں۔ اور حضور ﷺ کے فیضان صحبت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی۔ لیکن بعد میں ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور استعداد کے ناقص ہوجانے کی وجہ سے کاملین کی صحبت بھی جب کافی نہیں رہی تو دین کے اس شعبے (تزکیۂ نفس) کے اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لئے ''صحبت'' کے ساتھ ''ذکر وفکر کی کثرت'' کا اضافہ کیا۔ اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔

بعض مشائخ نے اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کرکے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں مناسبت پیدا کرنے کے لئے ان کے واسطے خاص خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کیے۔ اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لئے اور طبیعت میں رقت ویکسوئی پیدا کرنے کے لئے ''ضرب'' کا طریقہ نکالا گیا۔

تو ان میں سے کسی بھی چیز کو مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اور اسی لئے مقصد کے حاصل ہوجانے کے بعد یہ سب چیزیں

چھڑادی جاتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ تصوف کے طریقوں کے امام اپنے اپنے زمانے کے حالات اور اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردوبدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں۔ بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لئے ان کے خاص حالات اور ان کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال واشغال تجویز کردیتا ہے۔ اور بعض ایسی اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس طرح کا کوئی ذکر وشغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کا مقصود ذکر وشغل کے بغیر ہی نصیب فرما دیتا ہے۔

اس سے ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورتاً اختیار کیا جاتا ہے۔ (تصوف۔۱۴۔۱۶)

صحابہ کرامؓ کا سلوک

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا:

حضورﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رضا وتسلیم کا طریقہ ارشاد فرمایا، اور ان کو توکل سکھایا، جو نفس مطمئنہ کی صفات ہیں۔ کیونکہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ رذائل نفس (اخلاقی برائیوں اور خرابیوں) کا ازالہ ہو جائے۔ مگر یہ فنائے نفس کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ایمان حقیقی، نفس کی برائیوں کے نکل جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ صحابہ کرام سے تو یہ اذکار ومجاہدات اور اوراد وغیرہ ثابت نہیں ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ان کو ایمان حقیقی دفعتاً حاصل ہو جایا کرتا تھا، جو دوسروں کو اذکار واوراد وغیرہ کی پابندی کے بعد بھی الا ماشاء اللہ حاصل ہوتا ہے۔ صحابہ کرام کا سلوک دفعی تھا۔ وہ حضور اکرمﷺ کے سامنے آتے ہی اور اسلام لاتے ہی سب منازل طے کر لیتے تھے۔ (فیوضات۔۴۹)

جذب وسلوک

ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک تو سلوک ہے یعنی چلنا اور ایک جذب ہے یعنی کھنچ جانا۔ تو جب اللہ تعالیٰ کو دنیا میں کچھ کرنا منظور ہوتا ہے تو کسی ایسے قلب کے انسان کو دنیا میں بھیج دیتے ہیں جس میں وہ جذبہ ہو۔ پھر اور لوگ بھی ایسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں جن کو اس سے مناسبت

ہو۔اس طرح وہ شخص ان کا مرکز بن جاتا ہے اور وہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔اور پھر ان کے اثرات سے زمانہ پر وہی رنگ چھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اور بھی لوگ ایسے پیدا ہوئے جو عربوں کے عام مشغلۂ جدال وقتال اور ظلم و جبر اور بت پرستی وغیرہ سے دل برداشتہ ہو گئے تھے مگر ان کو کوئی رستہ نہیں ملتا تھا۔ (وہ حضور ﷺ سے جڑ گئے)

پھر حضرتؒ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبول اسلام کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ ایسے ہی متعدد واقعات صحابہؓ کے ہیں کہ انہوں نے نہ تو کچھ زیادہ صحبت اٹھائی تھی نہ اسلام کی کوئی باقاعدہ اشاعت ہوئی۔مگر قلوب خود بخود حضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہو گئے۔صحابہ میں ایمان اور عمل تھا۔متاخرین کی طرح کے ان کے زیادہ مجاہدات بھی ہمیں کتابوں میں نہیں ملتے مگر ان کو حضور ﷺ کے جذبہ کی وجہ سے جذب ہو جاتا تھا۔

مزید فرمایا کہ یہ بھی یاد رکھو کہ جذب کے بغیر ہزاروں سال میں بھی وصال نہیں ہوتا۔ سلوک کی بھی ضرورت ہے کہ سلوک کے بغیر وہ ملکہ پیدا اور راسخ نہیں ہوتا جس کو ہم استقامت سے تعبیر کرتے ہیں۔ بھائی جو کچھ ہے، اب تو اسی کو غنیمت سمجھو اگرچہ کچھ زیادہ نہیں ہوسکتا مگر جو بن پڑے کئے جاؤ۔ شاید انفرادی طور پر کچھ دال دلیا ہو جائے (ارشادات۔۹۳۔۹۷)

اُذکار و اشغال کی اصل قرآن وحدیث میں

ایک شخص نے عرض کیا کہ صوفیاء نے جو اُذکار و اشغال مقرر کیے ہیں ان میں سے بعض کی اصل تو اسلامی تعلیمات میں ہوتی ہے، بعض کی نہیں۔حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اس کی مثال بیان کیجئے۔عرض کیا گیا کہ مثلاً نقشبندیہ کے یہاں بعض چیزوں کا تصور کیے بیٹھے رہنا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کی بھی اصل ہے۔یہ تفکر کا حکم ہے۔اور حضرتؒ نے اس سلسلہ میں تفکر کی آیات تلاوت فرمائیں اور فرمایا کہ ان سب چیزوں کی اصل تو قرآن کریم میں موجود ہے۔باقی صورت یہ ہے کہ اصل میں ان اُذکار و اوراد سے توجہ الی اللہ کا حصول مقصود ہے۔

حضرتؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام میں ''احسان'' اور توجہ الی

اللہ وغیرہ مطلوب ہیں۔اور یہ پیدا ہوتی ہیں محبت الٰہی سے۔(اور محبت خود بھی مطلوب ہے جیسا کہ اس آیت ''وَالَّذِیْنَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِّلّٰهِ ''البقرہ:۱۶۵(اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں) میں مذکور ہے۔اور محبت موقوف ہے صحبت پر۔اب چونکہ تجربہ سے یہ ظاہر ہے کہ صحبت اتنی قوی نہیں رہی،تو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اولیاء اللہ نے حسب الہام ربانی کچھ طریقے تجویز فرمائے،جو تجربہ سے کارگر ثابت ہوئے۔اور ان کی اصل بھی قرآن وحدیث میں پائی جاتی ہے۔تو یہ یقین،اور یہ محبت الٰہی جو مطلوب ہے اس کے ذرائع بھی مطلوب ہیں۔صحبت کی کمی اور کمزوری کو پورا کرنے کے لئے اَذکار واشغال ہوتے ہیں۔اور چوں کہ ان کی اصل بھی ہوتی ہے اس لئے یہ بدعت نہیں۔

تو اس محبت کو بڑھانے کے لئے صحبت،اور صحبت کی کمی کو اور طریقوں سے جن کی اصل قرآن مجید میں ہے،پورا کیا جاتا ہے۔پھر آگے خدا کے اختیار میں ہے کہ ان پر وہ فوائد مرتب فرمادیں۔یہ سب فضل الٰہی سے ہوتا ہے۔ (فیوضات۔۶۶۔۶۷)

حیات طیبہ کا حصول

اصل یہ ہے کہ ہمارا وجود یعنی ہمارا ہونا خدا کی طرف سے ہے۔اسے روح بھی کہتے ہیں۔تو ہر انسان میں اپنی اصل کی طرف کشش ہوتی ہے،جیسے اپنے وطن کی طرف ہر شخص کو کشش ہوتی ہے۔تو یہ دنیا دراصل ہمارا وطن نہیں ہے۔وطن تو وہ (آخرت) ہے جہاں سے ہم آئے ہیں۔اب اگر یہاں کی چیزوں میں دل پھنس جائے تو اُدھر کی کشش کم ہوجائے گی۔ لیکن اگر اِس دنیا کی محبت کے اثرات کم ہوجائیں تو اصل فطری جذبہ جو اُس وطنِ آخرت کا ہو،ابھر آئے گا اور وہاں کا شوق اور خدا کی محبت پیدا ہوجائے گی۔یہی مقصود ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں کمانے بھیجا ہے۔تو جو شخص یہاں سے خدا کی یاد کما کر لے جائے گا اُس وطن میں پہونچ کر اتنے ہی راحت وآرام سے رہے گا۔اسی کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے''مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً '' (النحل: ۹۷)(نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے)۔ (فیوضات۔۸۷)

وقت کے ساتھ تصوف کے اصولوں میں آسانی

وہ اکابرین جن کا میدان تزکیۂ نفس ہے، تصوف کو وصول الی اللہ کا ایک مفید اور آزمودہ ذریعہ سمجھتے ہیں اس لئے بدلتے ہوئے زمانے میں لوگوں کی استعداد اور دوسری ضرورتوں کے پیش نظر اصلاح وتربیت کے اصولوں میں تبدیلی کرتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت رائے پوریؒ نے ایک بار فرمایا:

ہر زمانہ کے مناسب حال اپنا ایک رنگ ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ اب نہ زوائد (ایسے اصول جو معاون اور مفید تو ہیں، لیکن اصل اور کلیدی نہیں) کی ضرورت ہے اور نہ ہی زوائد کا اُس وقت اتنا علم ہوا ہو جتنا تجربات سے بعد میں ہوا۔ اس لئے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر زوائد ترک کر دئے گئے۔ اب وصول الی اللہ حج کے آسان ہونے کی طرح بالکل آسان ہو گیا ہے۔ اب تو کچھ خواہشات کو دبانا اور کچھ کرنا کرانا (ذکر وغیرہ)، اسی سے وصول ہو جاتا ہے۔ باقی اس کا مطلب یہ نہیں کہ پھر کچھ نہیں کرنا۔ کرنا تو یہاں عمر بھر کا ہے۔ (فیوضات۔۳۵)

اس سوال کے جواب میں کہ کن بزرگوں نے تزکیۂ نفس کے اصولوں میں آسانیاں پیدا کی ہیں، حضرتؒ نے فرمایا:

یہ آسانی ہمارے اکابر کی تجویز کردہ ہے جو اپنے زمانے کے تصوف کے مجتہد اور حاکم ہوئے ہیں، نہ کہ مقلد اور محکوم۔ ان سے یہی حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہیؒ، حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر مکی) صاحبؒ، اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہم وغیرہ اکابر مراد ہیں۔ اور ہمارے حضرت (شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ قدس سرہ) کے متعلق بھی میرا یہی خیال ہے کہ تصوف پر حاکم تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ مولوی صاحب، جس طرح اب ہر بات کا خلاصہ اور روح نکل آئی ہے، تصوف کا بھی خلاصہ نکل آیا ہے۔ (فیوضات۔۳۶)

(۲)

تصوف کی حقیقت اور مقاصد

تصوف کا مقصود شریعت پر عمل کرنا

حضرتؒ نے فرمایا کہ خبر نہیں لوگوں نے تصوف کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ تصوف کا مطلب یہ ہے کہ شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح ہونے لگے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ ''الإحسان أن تعبدالله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك '' (''احسان'' یہ ہے تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے)۔ (فیوضات۔۳۸)

تصوف کی روح اتباع سنت

حضرتؒ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں ان سے محبت کرنے سے اللہ تعالیٰ کو خود اس محبت کرنے والے سے محبت ہو جاتی ہے۔ اور یہ سب (یعنی اللہ کے محبوب بندوں سے محبت) اللہ ہی سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا اور ان کے نائبین اولیاء کرام ہیں۔ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے اور پھر یہ دو واسطوں کی محبت (یعنی اللہ کے محبوب بندوں سے محبت) بھی بیچ سے حذف ہو جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ ہی کی محبت باقی رہ جاتی ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱) (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا) یعنی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا

چاہتے ہو تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو اور ان سے محبت رکھو تو اس سے اللہ تعالیٰ تم سے محبت رکھیں گے۔

اور فرمایا کہ پہلے اللہ تعالیٰ بندہ سے محبت کرتے ہیں، پھر بندے کو اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ (فیوضات۔۵۴)

ایک بار حضرتؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تیس سالہ ریاضت اور اس پر مرتب احوال کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ جب حضرت گنگوہیؒ سے ان کے ایک خادم نے تصوف کی حقیقت کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:

''تیس سال کے بعد معلوم ہوا کہ تصوف اتباع سنت کا نام ہے'' (فیوضات۔۴۰)

تصوف تعلق مع اللہ کے حصول کا ذریعہ

فرمایا کہ تصوف ایک مشق ہے، ایک طریقہ ہے، جو الہام الٰہی سے اُولیاء اللہ پر اپنے زمانے کے حالات کے مطابق منکشف ہوتا ہے۔ اس طریق پر چلنے سے انسان کو یقین نصیب ہو جاتا ہے، اور خداوند تعالیٰ کی دائمی یاد نصیب ہو جاتی ہے۔ راستہ میں بہت سی کیفیات، بہت سے اسٹیشن آتے ہیں، لیکن اصل مقصد یہی یادِ الٰہی ہے۔ یہی تعلق مع اللہ ہے، جس کو آپ نسبت کہہ دیں یا کچھ اور نام دیں۔ درحقیقت یہی یاد ہے جو مقصود ہے اور تمام تصوف کا خلاصہ ہے۔

مزید فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اُولیاء اللہ کرامات کو اتنا وقیع اور اہم نہیں سمجھتے جتنا کہ تعلق مع اللہ اور اہتمام شریعت کو۔ اصل چیز تعلق مع اللہ کا دوام ہے۔ اس کے ساتھ اتباع شریعت از خود آ جاتی ہے۔ اور پھر شریعت پر چلنے میں آسانی ہو جاتی ہے، کیونکہ شریعت پر چلنے کے محرکات پیدا ہو چکے ہوتے ہیں۔ تعلق مع اللہ کے بعد یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ انسان اللہ کی نافرمانی کرے۔ (سوانح۔ ۳۲۹)

تصوف اخلاص اور عشق الٰہی پیدا کرنے کا ذریعہ

ایک موقعہ پر تصوف کے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

خدا معلوم لوگ تصوف کو کیا سمجھتے ہیں۔ تصوف تو بس اخلاص اور عشق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ جو کام عشق کی طاقت اور اخلاص کی برکت سے ہوسکتا ہے وہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ تو دراصل تصوف ضروری نہیں ہے بلکہ عشق اور اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی کو اس کے حاصل کرنے کا اس سے بھی آسان اور مختصر کوئی اور راستہ معلوم ہو جائے تو مبارک ہے۔ وہ اسی راستہ سے حاصل کرلے، اور ہم کو بھی بتلا دے۔ ہم تو اسی راستہ کو جانتے ہیں جس کا اللہ کے ہزاروں صادق بندوں نے سیکڑوں برس سے تجربہ کیا ہے، جن میں سیکڑوں وہ تھے جو دین کے اس شعبہ کے مجتہد بھی تھے اور صاحب الہام بھی تھے۔ (تصوف۔ ۱۷۔ ۱۸)

تصوف وجدانی یقین کے حصول کا ذریعہ

ایک مجلس میں تصوف کے اصل مقاصد کی اس طرح وضاحت فرمائی کہ اصل بات حقیقت یقین کا پیدا ہو جانا ہے۔ جب کبھی کوئی سالک حضرتؒ سے اپنی کسی کیفیت کا ذکر کرتا تو یہی فرماتے کہ اصل کیفیت تو یقین ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ اگر کسی اندھیرے کمرے میں شیر ہو تو وہ اندھیرے کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ اگر ایک آدمی وہاں ہے جو بے خبری میں بے فکر بیٹھا ہے۔ اچانک روشنی ہوتی ہے اور شیر اس کو نظر آجاتا ہے تو اس پر خوف طاری ہو جائے گا۔ اسی طرح یقین نصیب ہونے کے بعد طالب کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خوفِ خدا تمام اعمال حسنہ کے کرنے اور تمام اعمال بد سے بچنے کی بنیاد ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ کی فکر اور طرز تربیت کو واضح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ لطائف کے جاری ہونے، سلطان الأذکار، انوار، حتیٰ کہ فنائیت کی کیفیت کو بھی کچھ اتنا بڑا مرتبہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت کے نزدیک استدلالی یقین کا وجدانی اور ذوقی یقین میں تبدیل ہو جانا اصل چیز تھی۔ اس کا نتیجہ پھر یہ ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا بھی خدا کی ہستی کا انکار کرے تو یہ وجدانی یقین والا شخص کبھی بھی انکار نہیں کرتا۔ (سوانح۔ ۳۲۳)

حضرتؒ نے ایک بار اپنے ایک تعلق رکھنے والے سے تنہائی میں نہایت شفقت سے

فرمایا کہ تصوف کی غایت یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر یقین کامل نصیب ہو جائے۔ اگر یہ حاصل ہو گیا تو سمجھ لینا چاہئے کہ سب کچھ حاصل ہو گیا۔ (فیوضات۔ ۵۰)

تصوف دینی کاموں کی حیات وقوت کا ذریعہ

ایک موقعہ پر حضرتؒ نے مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ سے فرمایا:

تصوف دین کے کام چھڑانے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے۔ لیکن کیا عرض کیا جائے کہ اللہ کی مشیئت ہے۔ جن کو اللہ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا وہ اب ادھر توجہ ہی نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ بھی وہ ادھر دے دیں تو دیکھیں کہ ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔ حضرت خواجہ (معین الدین چشتیؒ)، حضرت باوا (فریدالدین شکر گنجؒ)، اور بعد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمتیں انجام دیں اور جو کچھ کر دکھایا (جن کا سواں اور ہزارواں حصہ بھی ہماری بڑی بڑی جماعتیں اور انجمنیں نہیں کر پا رہی ہیں)، اس میں ان کے اخلاص اور قلب کی اس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوف کے راستہ سے پیدا کی گئی تھی۔ لیکن اب صورت یہ ہے کہ اس طرف صرف وہی بے چارے آتے ہیں جو بس اللہ اللہ کرنے کے کام کے ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں استعدادیں مختلف رکھی ہیں۔ ناقص استعداد کا آدمی اعلیٰ استعداد والوں کا کام نہیں کر سکتا۔'' (تصوف۔ ۱۶۔ ۱۷)

تصوف دنیاوی کاموں کو دین بنانے کا ذریعہ

ایک مرتبہ فرمایا: تصوف کیا ہے؟ دنیا کے تمام مباح اور جائز کاروبار کو بھی دین بنا دینا۔ یاد رکھو کہ اگر کوئی اس نیت کو سامنے رکھ کر کہ یہ کام میں اللہ کے لئے یعنی اس کی رضا کے حصول اور تکمیل احکام میں کرتا ہوں کسی کام کو کرے، تو یہ کام بہت سے نفلی عبادات سے افضل ہو جاتا ہے۔ مثلاً، مسلمان پر اپنے اہل وعیال کی پرورش کا درجہ واجب کا ہے۔ اب اگر وہ اس واجب کی ادائیگی کے لئے کام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت تازہ کر کے اور غفلت

(بے نیتی) ترک کر کے کرتا ہے تو اس میں نوافل پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے، کیونکہ وہ ایک واجب ادا کر رہا ہے۔ بس اس طرح ہر کام کو عبادت بنایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ کام حرام اور مکروہ نہ ہو، اور کم از کم مباح اور جائز کے درجہ کا ہو۔ اور اگر ریاکاری کے ساتھ خالص عبادت، جیسے کہ نماز ہی پڑھی جائے تو وہ شرک بن جاتی ہے، اس لئے کہ اس کی ادائیگی میں دکھاوے کی نیت ہے، اور دکھاوے سے عبادت کرنا شرک ہے۔ (فیوضات۔ ۴۲۔۴۳)

تصوف تصحیح نیت کا ذریعہ

حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے ایک بار جب مولوی حبیب الرحمان لدھیانوی نے دریافت کیا کہ تصوف کیا ہے؟ تو حضرت شیخ نے کیا ہی خوب فرمایا کہ تصوف تصحیح نیت (ہر کام اللہ کی رضا کی نیت سے کرنے) کا نام ہے، اور اس کے ثبوت میں یہ حدیث شریف پڑھی ''إنما الأعمال بالنيات'' (اعمال کا دارومدار تو نیت پر ہے)۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ان کے شیخ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے ان سے فرمایا تھا کہ خبر نہیں لوگ تصوف کسے کہتے اور سمجھتے ہیں۔ تصوف تو نام ہے فقاہت کا، یعنی دینی سمجھ اور دین کی صحیح سمجھ۔

پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے تصوف کا ابتدائی سرا بیان فرمایا اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے تصوف کا انتہائی سرا بیان فرمایا جو کہ تصحیح نیت سے حاصل ہوتا ہے۔ (فیوضات۔ ۴۳)

تصوف عاجزی اور انکساری کے حصول کا ذریعہ

ایک بار جب حضرتؒ سے تربیت کا تعلق رکھنے والے ایک عالم دین نے آپ سے اپنا یہ حال بتایا کہ ان کا قلب کسی وقت غافل نہیں ہوتا، اور وہ اپنے آپ کو سب سے نکما سمجھتے ہیں، اور ان کی یہ حالت دائمی سی ہو گئی ہے کہ دوسرے سب لوگ اچھے اور نیک معلوم ہوتے ہیں، تو حضرتؒ نے فرمایا کہ یہی تو منتہائے تصوف (تصوف کی انتہا) ہے۔ اپنے آپ کو چھوٹا یقین

کرلینا اور کبھی غافل نہ ہونا بہت ہی مبارک ہے۔ یہ تو انعام الٰہی ہے۔اس پر جتنا بھی شکر کریں کم ہے۔(فیوضات۔۴۸)

حضرتؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ تصوف کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اللہ کے سامنے عاجزی سے پڑا رہے۔

تصوف تکبر کی اصلاح کا ذریعہ

حضرت والاؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں جہاں تک سمجھا ہوں، یہ جو کہتے ہیں کہ (کسی شخص کی)اصلاح ہوگئی تو اصلاح سے مطلب کچھ زیادہ عبادت وریاضت، کثرت نوافل، روزہ وغیرہ نہیں بلکہ نفس کا ٹوٹنا یعنی تکبر کا ٹوٹنا ہے۔باقی سب کچھ اسی بات کے لئے ہے۔ (فیوضات۔۵۱۔۵۲)

تصوف اعلیٰ اخلاق کے حصول کا ذریعہ

ایک مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا کہ لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ تصوف کا مطلب کیا ہے؟ میں کہتا ہوں ''صحبت نیک''، تا کہ پاک اور نیک صحبت میں رہ کر رذائل نفس یعنی نفس کی برائیوں کو فضائل یعنی اچھائیوں سے بدلا جائے۔کوئی کہتا ہے کہ تصوف کا حاصل ہے نیت کا درست کرنا، تو کوئی کہتا ہے ظاہر و باطن کی یکسانیت۔مقصد سب کا ایک ہے کہ طالب کے اندر اعلیٰ اخلاق آجائیں اور اس سے رذائل اور برائیاں نکل جائیں۔تخلیہ تب ہوگا جب تصفیہ ہوجائے، یعنی طالب کے اندر اعلی اخلاق اس وقت آئیں گے جب اس سے رذائل نکل جائیں۔اس کے بعد کہیں جا کر ''تخلّقوا بأخلاق الله'' (یعنی اللہ کی صفات سے اپنے آپ کو آراستہ کرو) کا منصب نصیب ہوتا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے ''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا '' النساء:۵۸ (اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کردو)۔اور ''وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ''النحل:۵۳ (تمہارے پاس جو بھی کوئی نعمت ہے، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے) کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ وجود اور توابع وجود اور ممکن میں جو کچھ کمال ہے (یعنی انسان اپنے

اندر جو خوبیاں اور کمال دیکھتا ہے) وہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ ''مِن اللہ'' (اللہ تعالیٰ کا عطیہ) ہے۔ ان کی حیثیت اللہ تعالی کی طرف سے امانت کی ہے اور حق امانت یہ ہے کہ اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دیا جائے۔ یہ امانت مستعارہ (کچھ دیر کے لئے دی گئی امانت) اللہ ہی کے سپرد کر دینا ہے، اس طرح کہ اپنے آپ کو ہر خوبی وکمال سے خالی خیال کیا جائے۔ مثلاً اگر بادشاہ کسی خاکروب (جھاڑو دینے والے) کو لباس امیرانہ پہنا دے تو خاکروب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر وقت اور ہر آن امیرانہ شان سے عاری خیال کرے۔

جب صوفی پر یہ حالت غالب ہوتی ہے تو وہ اپنے آپ کو تمام کمالات وجود سے خالی خیال کرتا ہے۔ بلکہ نیست و نابود خیال کرتا ہے، اور نقائص سے بھرا ہوا خیال کرتا ہے۔ یہ ''فنا'' کا مرتبہ ہے۔ اور کبھی اس میں یہ خیال اور احساس بھی مفقود ہو جاتا ہے۔ یہ ''فناء الفناء'' ہے۔ پھر وہ اپنے آپ کو موجود پاتا ہے موجود بوجود مستعار من اللہ تعالیٰ، یعنی موصوف ایسی صفات سے جن کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہے۔ اس طرح صوفی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بقا کی نسبت سے باقی دیکھتا ہے۔ یہ مرتبہ ''بقا'' کا ہے۔ (فیوضات۔۴۹۔۵۰)

تصوف کیفیتِ حضوری کے حصول کا ذریعہ

ایک صاحب نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ جب وہ چودہ، پندرہ سال کے تھے تو ایک بزرگ نے ان سے تصوف کا اس طرح تعارف کرایا تھا کہ اس سے گناہ کی لذت اور شوق بالکل مٹ جاتا ہے اور پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے؟ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ یہ ہو تو سکتا ہے مگر بہت تھوڑے لوگ ایسی استعداد کے ہوتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی حالت ہوتی ہے جن کو دائمی حضوری حاصل ہو کیونکہ جب کوئی کسی کے سامنے ظاہراً یا باطناً ہو تو اس کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔ مگر ہر شخص کی اتنی استعداد نہیں کہ اس کو اس درجہ کی حضوری حاصل ہو۔ پس ایک بات تو انسان سے شرع کو مطلوب ہے جس کا وہ مکلّف ہے اس کی استعداد عموماً تمام لوگوں میں ہوتی ہے۔ اور ایک مطلوب ہر شخص سے نہیں اور اس کا شرع نے مکلّف نہیں کیا۔ وہ جس میں استعداد ہوتی ہے اس کو حاصل ہو جاتی ہے، دوسرے کو نہیں۔ تو اتنا تصوف تو ہر شخص سے ممکن ہے کہ وہ خلوص نیت سے نیکی کی کوشش کریں اور برائی پر نادم ہو کر توبہ کریں۔ اس

تصوف کا شرعاً ہر شخص مکلّف ہے اور اسے اصطلاح میں تصوف بھی نہیں کہا جاتا۔ دوسرا شخص اس سے زیادہ کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس فن میں کوشش کرتا ہے۔ نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ (ارشادات۔۱۱۹)

تصوف میں مجاہدہ کی اہمیت

ایک مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا کہ بزرگوں کی ابتدا سے لوگ ہدایت پاتے ہیں اور انتہا سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس وقت بزرگوں کے یہاں دنیا کی ریل پیل ہو جاتی ہے۔ حضرتؒ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ والوں سے ان کی ابتدائی حالت میں جڑتے ہیں وہ ہدایت پاتے ہیں، کیونکہ ان کے سامنے ان بزرگوں کا مجاہدہ، اور فقر وفاقہ پر صبر وغیرہ جیسے حالات ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ بزرگوں سے ان کے انتہائی یا آخری دور میں جڑتے ہیں وہ نسبتاً کم ہدایت پاتے ہیں کیونکہ اس وقت ان بزرگوں کے مجاہدہ کا دور ختم ہو چکا ہوتا ہے، اور فتوحات کا دروازہ کھلا ہوتا ہے۔ دنیا اور اہل دنیا کی ریل پیل ہو جاتی ہے جس سے لوگ مجاہدہ کی طرف رغبت نہیں کرتے۔ اس لئے محروم رہ جاتے ہیں۔ (فیوضات۔۴۱)

(۳)

شیخ کامل کی اہمیت

حضرتؒ نے فرمایا کہ تجربہ میں آیا ہے کہ شیخ کامل کی صحبت اٹھائے بغیر صفائی قلب نصیب نہیں ہوتی۔صحابہ کرامؓ کو نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے صفائی قلب وفنائے نفس دفعتاً حاصل ہوجاتا تھا،لیکن ہمارا وہ حال نہیں ہے۔ہمیں طویل صحبت نیک کی ضرورت ہے۔انہوں نے تو علوم ظاہرہ اور باطنہ سب حضورﷺ سے اخذ کرلئے تھے۔وہ تو سورج کے سامنے تھے،اورہم سب رات کے اندھیرے میں ہیں۔جیسے جیسے حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانے سے دوری ہوتی جائے گی،ظلمت اورتاریکی بڑھتی جائے گی۔ (فیوضات۔۵۵)

شیخ کی رہنمائی کی ضرورت

ایک مرتبہ حضرتؒ نے ارشادفرمایا کہ طالب خود مجتہد نہ بن بیٹھے۔شیخ کے پاس آنا جانا رکھے،اوران سے اپنے احوال کا ذکرکرتا رہے۔شیخ کوآئینہ یقین کرے۔مؤمن،مؤمن کے لئے آئینہ ہے کہ عیوب دیکھتا ہے لیکن دوسروں کے سامنے نہیں کھولتا،اورکوئی عیب چھپاتا بھی نہیں۔آدمی بعض دفعہ ناجائز کام کرتا رہتا ہے اوراپنی کم فہمی سے اس کوکمال گمان کرلیتا ہے۔شیخ اس کواس کی غلطی پر مطلع کرتا ہے اوراس کی اصلاح کرتا ہے۔اس لئے کسی شیخ کا ہونا ضروری ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ اصلاح کے لئے فقط ذکر ہی کافی نہیں،اخلاق کی درستگی کی بھی فکر کرنی چاہیئے،اورمشائخ سے اخلاق ذمیمہ (یعنی اخلاقی کمزوریوں اور غلط رجحانات) کا علاج کرانا چاہیئے۔اسی لئے زندہ مشائخ سے بیعت ہوتے ہیں کہ وہ اخلاق وعادات کی

اصلاح کرتے ہیں۔

ایک بار فرمایا کہ انسان کی اصلاح کے لئے صحبت نیک ضروری ہے۔صرف علم سے کچھ نہیں ہوتا۔ (مختصر۔۱۱۳)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک صاحب کو مخاطب کر کے جو ایک موقعہ پر غصہ میں بے قابو ہو گئے تھے فرمایا کہ اصلاح کے لئے فقط ذکر ہی کافی نہیں، اخلاق کی درستگی کی فکر کرنی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ زندہ مشائخ سے بیعت ہوتے ہیں کہ وہ اخلاق کی اصلاح کرتے ہیں۔ مثلاً غصہ ہے۔ یہ بہت برا مرض ہے۔ حدیثوں میں اس کی بہت مذمت فرمائی گئی ہے۔لیکن جب تک شیخ سے علاج نہیں ہوتا، یہ مرض نہیں جاتا۔ (سوانح۔۹۱)

شیخ کی رہنمائی کی افادیت

کسی نے حضرتؒ سے پوچھا کہ صحبت شیخ کا کیا فائدہ ہے؟ فرمایا کہ اگر کسی کو اپنی منزل پر پہونچنا ہو اور وہ پیدل چل پڑے، سر پر من بھر کا بوجھ بھی ہو، اور راستہ میں چور ڈاکوؤں کا خطرہ بھی، تو سمجھ لیجئے کہ وہ کتنی مشکل سے اپنی منزل پر پہونچے گا۔لیکن اگر کسی کو ہوائی جہاز میں بٹھا دیا جائے تو وہ بہت آرام سے اپنی منزل پر پہونچ جائے گا۔ پاؤں پھیلا کر سوتا جائے گا، اور راستہ کے خطرات سے بھی محفوظ رہے گا۔ یہی حال صحبت شیخ کامل کا ہے کہ کاملین کی صحبت سے انسان بلاخوف وخطر منزل مقصود تک پہونچ جاتا ہے۔(فیوضات۔۱۷)

بیعت کی ضرورت اور مقصد

ایک مرتبہ فرمایا کہ اصل غرض بیعت سے صحبت نیک ہے۔انسان اپنے ماحول سے اثر لیتا ہے خواہ اسے شعور ہو یا نہ ہو۔

ایک سوال کے جواب میں کہ بزرگ لوگ بیعت کیوں کرتے ہیں اور اس کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ بری صحبت میں رہتے ہیں۔ماحول اچھا نہیں ہے۔اس کے برے اثرات انسان پر پڑتے رہتے ہیں۔ان برے اثرات کو ختم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی نیک صحبت بھی اختیار کی جائے جو ان برے اثرات کو دفع کر سکے۔اس نیک

صحبت کے التزام کا نام بیعت ہے۔یعنی بیعت سے مراد نیک صحبت ہے تاکہ نیک صحبت کا التزام کرنے سے ہم ان برے اثرات اور غلط اخلاق سے چھٹکارا حاصل کرسکیں جو معاشرہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہمارے قلوب پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔(فیوضات۔۵۸)

فرمایا کہ صوفیاء کی بیعت ایک عہد ہوتا ہے اور ہر عہد کا ایک اثر ضرور ہوتا ہے، کم ہو یا زیادہ۔چنانچہ اس پر تجربہ شاہد ہے۔(فیوضات۔۶۱)

شیخ کے انتقال کے بعد تجدید بیعت کی ضرورت

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر شیخ کا وصال ہوجائے تو کیا کسی اور سے بیعت ہونے کی ضرورت ہے؟ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اپنے شیخ (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) سے سنا ہے کہ ضرورت نہیں۔مگر اس وقت ضرورت ہے جب عالم مثال سے مناسبت ہونے سے پہلے شیخ کا وصال ہوجائے۔(فیوضات۔۱۱۳)

شیخ سے محبت کا فائدہ

فناء و بقا کے متعلق حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے شیخ کی محبت میں فنا ہوجائے، اس طرح کہ سب کچھ تج دے۔پھر رسول اللہ ﷺ کی محبت میں فنا ہوجائے۔پھر اللہ تعالیٰ میں فنائیت کا مقام آتا ہے۔مزید فرمایا کہ شیخ کے ہاتھ میں ایسا ہوجائے جیسے کہ مردہ بدست غسّال (یعنی جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے)۔شیخ جو حکم دے اس پر دل میں کوئی اعتراض نہ لائے، ورنہ نقصان اٹھائے گا۔لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ اسی کو بنائے جو علم اور عقیدے میں پختہ کار ہو۔اس کے بعد اس پر کوئی اعتراض نہ کرے، اس لئے کہ اس کی ہدایات میں کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔(فیوضات۔۷۰۔۷۱)

شیخ سے محبت کے بقدر طالب کی ترقی

ایک سائل نے تصوف کی ذرا اونچی اصطلاحی باتیں شروع کیں، تو حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اتنی اونچی پرواز ہماری نہیں ہے۔بس ہم تو سیدھے سادھے طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ صحبت شیخ، عناد (یعنی شیخ کی مخالفت) سے پاک ہو۔پس طالب کو اپنے شیخ سے جتنی محبت

ہوگی اتنی ہی اسے ترقی ہوگی۔جس شیخ سے محبت اور مناسبت ہو،اس کی بلا عناد صحبت اختیار کرو،اور کچھ ذکر کا بھی سلسلہ جاری رکھو۔جتنی کسی کی استعداد ہوگی،اور جتنا خدا کو منظور ہوگا، حصہ مل جائے گا۔(فیوضات۔۷۳)

استفادہ کے لئے شیخ سے محبت ضروری

محمد اختر جو نو مسلم تھے اور حضرتؒ کی سرپرستی میں ہی تھے،حضرتؒ سے بہت محبت کرتے تھے۔حضرت نے ایک موقعہ پر ان کی بیعت کی درخواست قبول کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ دراصل بیعت سے جو فائدہ پہنچتا ہے وہ تمہیں بغیر بیعت کے بھی پہنچ جائے گا،اس لئے کہ جب تمہیں مجھ سے تعلق اور محبت ہے تو فائدہ لازمی پہونچے گا۔اور لوگ ہاتھ میں ہاتھ تو دے دیتے ہیں مگر تعلق اور محبت ہوتی نہیں۔دوسرے کچھ کرتے کراتے بھی نہیں۔اس لیے کچھ زیادہ فائدہ بھی نہیں پہونچتا۔اصل مقصود شیخ سے محبت اور تعلق پیدا کرنا ہے۔پھر طالب سب کچھ کر گزرتا ہے۔(سوانح۔۲۷۳)

(۴)

صحبت کی اہمیت

حضرت رائے پوریؒ طالب کی اصلاح حال اور تزکیہء نفس کے لئے دو باتوں پر خصوصیت کے ساتھ زور دیتے تھے: ''صحبت'' اور'' ذکر''۔ حضرتؒ کے مطابق یوں تو اللہ والوں کی صحبت عمومی طور پر بھی ضرور نفع بخش ہوتی ہے، مگر اصلاح حال کے لئے وہ یہ ضروری سمجھتے تھے کہ طالب اپنے شیخ ومرشد کی صحبت استفادہ کی نیت سے اور محبت اور شیخ پر پورے اعتماد کے ساتھ اختیار کرنے کا اہتمام کرے۔

ایک نشست میں صحبت کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ صحبت کا اثر ایک مسلّم چیز ہے۔ جس طرح ہر چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک خصوصیت رکھی ہے اسی طرح صحبت اور محبت کا بھی ایک خاصہ ہے۔ صحبت کا اثر تو اتنی واضح چیز ہے کہ عام لوگ بھی جانتے ہیں۔ حتٰی کہ اپنے بچوں کو کہا کرتے ہیں کہ دیکھو! برے لوگوں کے پاس مت بیٹھنا، اور ہمیشہ اچھے لوگوں کے پاس بیٹھنے کی تلقین کیا کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اور محبت کا خاصہ ہے کہ محبوب کے سینے کی چیز محبت کرنے والے کے سینے میں لے آتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا سینہء مبارک نور ومعرفت ویقین کا گنجینہ تھا۔ صحابہؓ نے آپ کی صحبت، محبت کے ساتھ اختیار کی۔ اس محبت کی خاصیت ظاہر ہوئی۔ اور جتنی جس کی محبت تھی اسی قدر حضور اکرم ﷺ کے سینہء مبارک کی دولت اس محبت کرنے والے کے سینے میں آ گئی۔ پھر صحابہ کرامؓ کی صحبت، تابعین نے اٹھائی، اور تابعین کی تبع تابعین نے۔ اسی طرح حضور ﷺ سے وہی نورِ یقین ومعرفت سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ پھر اس کے آگے مشائخ کے سلسلے چلے۔

چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ۔ان سب کے یہاں سلوک کا دارومدار صحبت شیخ پر ہے۔ جتنی شیخ سے محبت ہوتی ہے اتنا ہی عرفان وعشق الٰہی نصیب ہوتا ہے۔اگر صحبت کی ضرورت نہ ہوتی تو انبیاء کو نہ بھیجا جاتا، اور کتابیں براہ راست آسمانوں سے نازل کردی جاتیں۔

مزید فرمایا کہ محبت سے اخلاق رذیلہ کٹ جاتے ہیں، اور محبت کرنے والا اپنے محبوب کے آثار جذب کرتا ہے۔ (سوانح۔۳۲۷)

صحبت کی دو شرائط

ایک موقعہ پر فرمایا کہ انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے، اور برائیوں سے دور رہے۔اور یہ چیز ایسے شخص کی صحبت اٹھانے سے حاصل ہوتی ہے جس کے اخلاق اور نفس کی اصلاح ہوچکی ہو۔مگر صحبت میں دو چیزیں شرط ہیں: ایک تو شیخ سے محبت ہو، عناد (عدم مناسبت اور تنقیدی جذبہ) ہرگز نہ ہو۔اور دوسرے ذکر الٰہی۔آج کل بڑے سے بڑے اور باصلاحیت آدمی کو بھی صرف صحبت سے فائدہ نہیں ہوتا، الاّ ماشاء اللہ۔کیونکہ آج کل اللہ والوں کی صحبت ایسی قوی نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی صحبت کی طرح اثر کرے۔اس لئے ذکر بہت ضروری ہے۔اگر شیخ سے محبت ہوگی تو آدمی شیخ کے اخلاق حمیدہ میں سے جذب کرے گا (اور انہیں اختیار کرے گا)، اور یہ جذب کرنا ایک طبعی خاصہ ہے، کہ عناد سے خالی، محبت آمیز صحبت کا یہ اثر ہوتا ہے۔ (فیوضات۔۵۹۔۶۰)

نیز فرمایا کہ خدا کے حضور گناہوں سے توبہ اور نیکیوں پر استقامت کی دعا مزید برآں ہے کہ اللہ والوں کی دعاؤں میں تاثیر ہوتی ہے۔ فرمایا کہ ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِھِم'' (عوام اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں) مشہور قول ہے جو اپنے اثرات میں پایہ نبوت کو پہونچا ہوا ہے۔(اس لئے اغلب ہے کہ مرید اپنے شیخ کے نیک کردار اور اچھی عادتوں کی پیروی کرے گا)۔(فیوضات۔۶۱)

عدم مناسبت کا نقصان

ایک صاحب نے حضرت والاؒ سے دریافت کیا کہ صحبت کا اثر مسلّمات میں شمار ہوتا ہے

مگر لوط علیہ السلام کی بیوی، نوح علیہ السلام کی بیوی اور فرعون کی بیوی کا قصہ ظاہر کرتا ہے کہ اثر ہونا لازمی نہیں۔اس پر حضرت اقدس نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحبت میں مناسبت شرط ہے اور عناد (شیخ کی مخالفت) موانع (صحبت سے فائدہ اٹھانے میں رکاوٹ ڈالنے والی باتوں) میں سے ہے۔یعنی اگر طالب کو اس سے مناسبت ہے جس کی صحبت اٹھا رہا ہے اور مخالفت نہیں تو صحبت کا اثر ضرور ہوگا۔(ارشادات۔۱۲۲)

صحبت نبوی کا اعجاز

ایک زمانہ وہ تھا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم لوگوں کے گھروں پر تبلیغ کے لئے جاتے تھے اور ایک زمانہ وہ آیا کہ لوگ فوج در فوج وفود بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں دین حاصل کرنے کو آنے لگے۔اور صحبت جتنی جس نے اختیار کی ہو اس کی حسب استعداد تاثیر مسلمات میں سے ہے۔ایک دفعہ زیارت کرنے والا صحابی ہو گیا اور حسب استعداد نعمت عظمیٰ سے فائز ہوا۔اور جنہوں نے زیادہ صحبت اٹھائی اور دیر تک ساتھ رہے اور استعداد عالی رکھتے تھے، ان کے کیا کہنے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کی استعداد کامل تھی اور ساتھ ہی دیر تک صحبت کمال اٹھائی۔تو جو حاصل ہوا وہ بھی اتنے ہی کمال کا تھا۔اور اسی طرح حضرت عمرؓ ایک جنگل میں کھڑے ہو کر شکر کرنے لگے اور فرمایا کہ یہاں میں اپنے والد کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔اگر کوتاہی کرتا تو وہ بڑے سخت تھے اور پورا کام کرتا تو کبھی شاباش نہ کہتے۔شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے یہ کچھ عطا فرمایا۔

فرمایا کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا کیا کہنا کہ چند سال میں دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں تہہ و بالا فرمادیں۔اور یہ کوئی عام فاتحین کی طرح کا معاملہ نہ تھا بلکہ ایسا نظام و انتظام قائم ہوتا چلا گیا جو لوگوں کی اصلاح کا موجب ہوا۔اس میں حضور ﷺ کی تربیت کا بڑا دخل تھا کہ لوگ سب کچھ اللہ کے واسطے کرتے تھے۔سونے کے غنیمت کے ڈھیر پڑے ہیں اور پاس ہی محافظ پھٹی ہوئی کمبلی میں بیٹھا ہے مگر ایک حبہ (رتی) خیانت کا نام نہیں۔حضرت ابوعبیدہ بن جراح امین امتؓ کا یہ حال ہے کہ شام کے خزانے ندیوں کی طرح بہہ رہے ہیں مگر خود اسی حال میں ہیں جو حضور ﷺ کے زمانہ میں تھا۔یہ حضرات دنیا کے زاہدین تھے۔اگر ہم ان کے حالات نہ

پڑھتے تو سمجھتے کہ دنیا ویسے ہی چلی آ رہی ہے۔ ان کے حالات خود معجزہ ہیں۔

مزید فرمایا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے ایسے تربیت دیے ہوئے پاکیزہ نفوس کو اگر کوئی کہے کہ نعوذ باللہ وہ یہ سب نفاق اور دنیا طلبی کے لئے کرتے رہے تو پھر خلوص ایمان اور زہد کہاں ملے گا؟ پھر حضور ﷺ کا کمال کیا ہوا کہ تمام عمر جو لوگ ساتھ رہے اور حضور ﷺ کی زبان حق ترجمان سے جنہوں نے صداقت، خلوص اور امانت کے سٹرٹفکیٹ حاصل کئے، وہ بھی اگر خدانہ کرے معاذ اللہ جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں منافق اور دنیا طلب نکلیں تو پھر حضور ﷺ کی نبوت کیا ہوئی؟ اور پھر خدا کا وجود اس کی رہنمائی اور ہدایت کہاں سے ثابت کی جائے گی؟ الغرض ہر صحابیؓ خصوصاً صحابہ کرام میں سے مشہور ہستیاں اسلام کی صداقت، حضور ﷺ کی رسالت اور خدا کی خدائی کا ثبوت ہیں۔ ان کے انکار سے کیا کیا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ (فیوضات۔۶۱۔۶۳)

صحبت علم سے زیادہ ضروری

ایک مرتبہ فرمایا کہ انسان کی اصلاح کے لئے صحبت نیک کی ضرورت ہے۔ صرف علم سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر آنحضرت ﷺ عرب میں بہ نفس نفیس تشریف نہ لاتے، اور اس کے بجائے ہر عرب کے گھر میں ایک ایک نسخہ قرآن مجید کا بھیج دیا جاتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی صحبت ہی تھی جس سے صحابہ نے رنگ پکڑا۔ اصل چیز محبت ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

(نیک لوگوں کی صحبت تمہیں نیک بنائے گی، اور برے لوگوں کی صحبت تمہیں برا بنائے گی۔) (فیوضات۔۵۸)

صحبت کی ضرورت

ایک بار فرمایا کہ اپنے نفس امّارہ کو مطمئن بنانے یا نفس لوّامہ کو اطمینان تک پہونچانے کا راستہ سلوک کہلاتا ہے۔ اس میں آسان راستہ یہ ہے کہ جن کا نفس مطمئن ہو ان کی صحبت

اختیار کی جائے، کیونکہ یہ کلیہ ہے کہ جیسے آدمی کے پاس بیٹھو گے اس کے اثرات تم میں ضرور پیدا ہوں گے۔تو شیخ کی صحبت کی ضرورت ہوئی۔(فیوضات۔۶۳)

صحبت شیخ ،اخلاص کے حصول کا ذریعہ

حضرتؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ اخلاص حاصل ہوتا ہے صفائی قلب اور فنائے نفس سے،اور یہ (یعنی صفائی قلب اور فنائے نفس) ہر وقت جہاد بالنفس الأمّارہ بالسوء (یعنی بدی پر آمادہ کرنے والے نفس سے مستقل جہاد کرنے) سے نصیب ہوتا ہے۔بشرطیکہ راسخ فی العلم (تزکیۂ نفس کا پختہ علم رکھنے والے کسی بزرگ) کی طویل صحبت نصیب ہو،اور طالب ان کے سینے سے انوار لیتا رہے۔کیونکہ صوفی جب فنائے نفس اور صفائی قلب کے بعد مخلصین میں سے ہو جاتا ہے تو لومۃ لائم (ملامت کرنے والوں کی ملامت) کی کچھ پرواہ نہیں کرتا،اور اس کی عبادت بلا ریا وسمعۃ (بنا دکھاوے اور شہرت کی طلب کے) ہو جاتی ہے۔حدیث میں ہے ’’إنما الأعمال بالنیات، وإنما لإمرئ ما نوی ‘‘(یقیناً اعمال کا دارومدار نیت پر ہے،اور ہر انسان کو وہی بدلا ملے گا جو اس کی نیت ہے)۔اس وقت اس کی عبادت اللہ کا مطیع ہو جانا ہے۔پھر نافرمان نہیں بنتا۔اور بے شک یہ جہاد اکبر ہے۔(فیوضات۔۵۹)

اخلاص کی مزید تشریح

حضرتؒ سے پوچھا گیا کہ کیا اخلاص،مخلصین کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! صحبت اور ذکر سے۔ہر چیز اور ہر فن کا یہی قاعدہ ہے کہ اس فن کے جاننے والوں کی صحبت سے وہ فن حاصل ہوتا ہے۔نیز پوچھا گیا کہ کیا ’’کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ ‘‘(التوبہ:۱۱۹) (راستباز لوگوں کے ساتھ رہا کرو) کا بھی یہی مطلب ہے کہ صدق حاصل کرنے کے لئے صادقین کے پاس بیٹھے،اور یہ کہ معیت سے صحبت مراد ہے یا نصرت؟ فرمایا ہاں، ’’کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ‘‘ کا یہی مطلب ہے۔اور معیت کے معنی دونوں طرح صحیح ہو سکتے ہیں۔ (فیوضات۔۶۹)

صحبت کے لئے محبت کی اہمیت

حضرت رائے پوریؒ اس بات پر بہت زور دیتے تھے کہ طالب اپنے شیخ کی صحبت محبت کے

ساتھ اٹھانے کا اہتمام کرے کہ اس کی وجہ سے اس کے لئے اپنے شیخ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دین پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور اس سے اس کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک بار فرمایا کہ محبت کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی محبت وہبی طور پر (اپنے فضل خاص سے بلاکوشش و استحقاق) عنایت فرمادیں تو بہت غنیمت ہے۔ ورنہ کوشش سے اپنے دل میں اللہ کی محبت پیدا کرنی چاہئے۔ اور محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے کثرت ذکر اور اہل اللہ کی صحبت سے۔ اس لئے ذکر و صحبت دونوں کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد حیات طیبۃ (پاکیزہ زندگی) عنایت فرمائی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ولایت اور دوستی نصیب ہوتی ہے، جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ''لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون'' (ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے)۔ بس اتنا ہی کافی ہے، سلطنت ملے یا نہ ملے۔ کیونکہ سلطنت کوئی ضروری چیز نہیں۔ لاکھوں اُولیاء اللہ اور انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہوئے ہیں جن کا سلطنت سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ البتہ اُولیاء کرام نے اپنے طور پر مخلوقِ خدا کی بہت اصلاح کی ہے۔ (فیوضات۔۵۵۔۵۶)

تاثیر صحبت

فرمایا:

یک زمانہ صحبتے با اُولیاء - بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی - چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

(اولیاء اللہ کی صحبت میں گزرا ہوا ایک لمحہ سو سالہ طاعت بے ریا سے بہتر ہے۔ اگر تم ایک معمولی پتھر ہو تو کسی صاحب دل کے ہاتھ میں پہونچ کر گوہر بن جاؤ گے)

اُولیاء اللہ کی صحبت مبارک بڑی تاثیر رکھتی ہے۔ انسان دوسرے کے اخلاق جذب کرتا رہتا ہے، اگرچہ غیر شعوری طور پر ہی ہو۔ صحبت کی تاثیر جاتی نہیں۔ (فیوضات۔۵۵)

صحبت کا نفع شیخ سے محبت پر منحصر

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ تصور شیخ کیا چیز ہے؟ فرمایا شیخ سے محبت۔ مطلب یہ

ہے کہ جس کی محبت ہوتی ہے اس کا تصور بے اختیار قائم ہو جاتا ہے۔ (آگے اس کی تشریح کرتے ہوئے) فرمایا کہ اعلیٰ ذائقہ ادنیٰ کو مٹاتا ہے (اسی طرح اللہ کی محبت باقی محبتوں پر تدریجاً غالب ہو جاتی ہے)۔ سائل نے سوال کیا کہ اعلیٰ ذائقہ (اللہ کی محبت) کیسے پیدا ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں حضرتؒ نے فرمایا کہ جن کو اعلیٰ ذائقہ (محبت الٰہی) حاصل ہو ان کے ساتھ رہنے اور ان کی صحبت اٹھانے سے۔ اور صحبت کی شرط، جس کے بغیر نفع نہیں ہوتا، شیخ کی محبت ہے۔ اور صحبت کی کم از کم شرط شیخ کی مخالفت سے باز رہنا ہے۔

مندرجہ بالا نکتہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو جو طالب علم استاد کی مخالفت کرنے لگتا ہے وہ محروم رہتا ہے۔ اور جو مخالفت نہ کرے اسے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور جو خدمت کرے اسے سب سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ آخرت اور اس کے فوائد پر یقین کے باوجود (طالب میں) ادنیٰ ذائقے کیوں نہیں مٹتے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ یقین ضرور ہے، مگر وجدان نہیں۔ ابھی دوسرا ذائقہ چکھا نہیں۔ اگر شرطوں کے مطابق شیخ کی صحبت اٹھائی جائے تو چوں کہ طالب کو ذائقہ نصیب ہو جاتا ہے اس لئے اس پر ضرور اثر پڑے گا۔ (فیوضات۔۶۴۔۶۵)

تصورِ شیخ، محبت شیخ کا دوسرا نام

حضرتؒ نے ایک بار صحبت کی اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اخلاق رذیلہ دور کرنا اور اخلاق فاضلہ حاصل کرنا بغیر صحبت کے نہیں ہو سکتا۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ تصور شیخ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں محبت شیخ کو تصور شیخ کہتے ہیں۔ اگر طالب تصور شیخ میں ہی رہ گیا تو بس رہ گیا۔ مقصد اصلی تو رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ طالب کو ایسے شیخ کامل کا انتخاب کرنا چاہئے جو سنت سے سرِ مو تفاوت نہ کرتا ہو۔ پھر طالب اس کی محبت میں جتنا زیادہ فنا ہوگا اتنا زیادہ اس کو فائدہ ہوگا، اور اس کا سلوک کا راستہ جلدی طے ہوگا۔ شیخ کی صحبت، محبت اور اخلاص سے اختیار کرے، اس سے جلدی آگے نکل جائے گا۔ مولانا عبدالحئی بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں ایسے فنا تھے کہ جب جان نکل رہی تھی تو فرمایا آپ میرے سینے پر اپنا پاؤں مبارک رکھ دیں، بس میری آرزو ہے کہ میری جان اس حال

میں نکلے۔ چنانچہ سید صاحبؒ نے آپ کے سینے پر اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو کیا کم محبت تھی کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ آخر دم تک رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا۔ (فیوضات۔۵۷)

صحبت شیخ حب جاہ کا علاج

مولانا محمد عبداللہ صاحب دھرم کوٹیؒ نے دریافت کیا کہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''آئینہ تربیت'' میں لکھا ہے کہ حب جاہ اگر تھوڑا بھی ہو تو اس کا علاج ضروری ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے وہیں علاج بھی لکھا ہوگا۔ مولانا نے کہا یاد نہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مشائخ جو محنتیں اور خدمات کراتے ہیں یہی حب جاہ کا علاج ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ، حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کو بہت زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) فرمایا کرتے تھے (حضرت شاہ صاحبؒ حضرت مرزا صاحبؒ کے مرید تھے اور ان کی تربیت میں تھے)۔ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ پنکھا جھل رہے تھے۔ ذرا تیز ہلایا تو حضرت مرزا صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا مجھے اڑا دو گے۔ پھر ذرا آہستہ کر دیا تو فرمایا کہ کیا تمہارے ہاتھوں میں جان نہیں ہے۔ ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ حضرت، نہ یوں بن پڑے نہ ووں۔ اس پر حضرت مرزا صاحبؒ نے انہیں نکال دیا۔ چار پانچ ماہ تک ناراض رہے۔ پھر شاہ غلام علی صاحبؒ نے بڑی خوشامدوں اور منتوں سے حضرت کو راضی کیا، تو انہوں نے اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ جب حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے انہیں خلافت دی اس وقت فرمایا: ''شاہ صاحب! جو کچھ آپ کے ساتھ سختی کی گئی یہ صرف آپ کی اصلاح کے لئے تھی، کسی ذاتی غرض کے لئے ہرگز نہ تھی۔'' (فیوضات۔۶۹)

(۵)

صحبت شیخ کے آداب

محبت شیخ کی اہمیت

ایک سائل کے جواب میں کہ شیخ کی صحبت کے آداب کیا ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ اس میں اصل محبت ہے۔ محبت خود ادب کی استاد ہے یعنی محبت خود ادب سکھا دیتی ہے۔ اور محبت کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ طالب اپنے شیخ کے لئے اعتراض جی میں نہ رکھے۔ اگر مخالفت نہ ہو تو حسب استعداد فائدہ پہونچتا ہی ہے۔ آگے ایک حاضر مجلس سے فرمایا کہ اصل تو اللہ کا ذکر ہے، اور اللہ کے نیک بندوں کی صحبت۔ آپ آخر لکھنؤ سے بھی آگے سے آئے ہیں۔ محبت نہ ہوتی تو کیوں آتے؟ اس سے بھی زیادہ محبت ہو تو اچھا ہے۔ الغرض عشق ہی انسان کا ادب میں استاد ہے۔ ایک پنجابی شاعر نے کہا ہے کہ عشق انسان کو وہاں پہونچا دیتا ہے جہاں انسان ویسے نہیں پہونچ سکتا۔ کسی نے عرض کیا کہ عشق الٰہی کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ فرمایا کہ ذکر الٰہی سے اور نیکوں کی صحبت سے حسب استعداد اللہ سے عشق و محبت پیدا ہو ہی جاتا ہے۔

مزید فرمایا کہ شیخ کی محبت سے اللہ کی محبت آتی ہے۔ جب یہ آئے تو ہر چیز سالک سے محبت کرنے لگتی ہے، انسان و حیوان و چرند پرند وغیرہ۔ (فیوضات۔ ٦۵)

محبت سب سے بڑا ادب

اس سوال کے جواب میں کہ شیخ کی مجلس کے آداب کیا ہیں۔ فرمایا کہ سب سے بڑا ادب محبت ہے، اور وہی سب آداب سکھاتی ہے۔ محبت نہ ہو تو ادب بے جان ہے۔ مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی، مصنف ''لغات القرآن'' کے اس سوال پر کہ اگر شیخ کی محبت میں کمی

ہوتو پھر کیا کام چل سکتا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی کی کثرت سے کچھ کام چل سکتا ہے۔ اور نوافل، نمازیں، تلاوت قرآن اور ذکر اسمائے الٰہی یہ سب ذکر الٰہی میں شامل ہیں۔ البتہ ذکر اسم الٰہی (اللہ، اللہ کے ذکر) سے آدمی کو ذرا جلدی احساس ہو جاتا ہے، اور دوسرے اذکار سے ذرا دیر سے۔ (مختصر۔ ۱۱۶)

شیخ سے استفادہ میں مرید کی محبت کی اہمیت

حضرتؒ سے پوچھا گیا کہ کیا شیخ کی توجہ تمام مریدین کی طرف یکساں ہوتی ہے، جیسا کہ سورج کی روشنی سب چیزوں پر یکساں ہوتی ہے، یا بعض خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر شیخ کی خصوصی توجہ ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا استاد کا تعلق سب طلباء سے یکساں ہوتا ہے؟ بعض محنتی اور ذہین ہوتے ہیں، بعض استاد سے زیادہ محبت رکھتے ہیں، اور بعض غبی اور نہ محنت کرنے والے۔ تو کیا ان سب کے ساتھ استاد کا تعلق یکساں ہوتا ہے؟

اسی طرح جو مرید شیخ سے زیادہ محبت اور تعلق رکھتا ہے اس سے شیخ کو زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اور محبت ہی کا نام توجہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ پھر تو شیخ کی توجہ مبذول کرانے میں مرید اور طالب کو دخل ہوا۔ فرمایا ہاں، مرید کی کوشش سے ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ شیخ کی کوشش سے کچھ نہیں ہوتا۔

جب حضرتؒ سے پوچھا گیا کہ شیخ سے محبت بڑھانے کا کیا طریقہ ہے، تو ہنس کر فرمایا کہ محبت بڑھانے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے؟ البتہ اس کا ذریعہ صحبت ہے۔ جس قدر صحبت زیادہ ہوگی محبت بڑھے گی۔ (فیوضات۔ ۵۳)

شیخ کے بارے میں شبہات کی حقیقت

ایک سائل نے حضرتؒ سے پوچھا کہ اگر شیخ کے متعلق مرید کے دل میں کچھ شبہ پیدا ہو، پھر زائل بھی ہو جائے۔ اسی طرح شبہات پیدا ہوتے رہیں اور زائل ہوتے رہیں تو یہ محبت اور اعتقاد کے خلاف تو نہیں؟ فرمایا نہیں۔ (فیوضات۔ ۵۴)

اپنی محنت

حضرتؒ کے ایک خادم بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب حضرتؒ کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ پہلے وہ کسی اور بزرگ کی خدمت میں گئے ہوئے تھے۔انہوں نے ان سے فرمایا کہ تمہارا حصہ رائے پور میں ہے وہاں جاؤ۔رائے پور کا نقشہ آپ کے سامنے ہی ہے۔خاص طور پر رمضان شریف میں سب مہمان حضرات اکثر اوقات ذکر، نماز، تلاوت، مراقبہ، بالخصوص ذکر بالجہر میں مشغول رہتے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ صاحب کہنے لگے کہ ہم سے تو یہ چکی نہ پیسی جاسکے گی۔ غالباً حضرتؒ سے کسی نے ذکر کر دیا ہوگا۔شام کے کھانے کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ دوست آتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے حصہ کی پڑیا بنی بنائی رکھی ہے،مل جائے گی جیب میں ڈال کر لے آئیں گے۔مگر یہاں بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اس راستہ میں محنت لازمی ہے۔غالباًاس کے بعد یہ آیت ''وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا'' العنکبوت:۶۹ (اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے۔) پڑھ کر اس موضوع پر مزید روشنی ڈالی۔(فیوضات۔۴۷)

شیخ کی صحبت میں ذکر کا معمول پورا کرنے کی ممانعت

حضرتؒ سے پوچھا گیا کہ صحبت زیادہ مفید ہے یا ذکر؟ فرمایا دونوں ضروری ہیں۔ طالب کو چاہئے کہ شیخ کی مجلس کے وقت صحبت کے موقعہ کو ضائع نہ کرے، اس وقت ضرور صحبت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔لیکن مجلس سے فارغ ہونے کے بعد ذکر کو اپنی معینہ تعداد کے مطابق پورا کر لینا چاہئے۔(فیوضات۔۵۳)

طالب کی استعداد کی اہمیت

ایک دفعہ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر شیشہ پر میل ہو تو دور ہو سکتا ہے،لیکن پتھر کو جتنا چاہو رگڑو، وہ شیشہ نہیں بن سکتا۔اسی طرح طالبین کی استعداد کا حال ہے۔شیخ کا فیض سب کے لئے یکساں ہے۔اس کی مثال سورج کی سی ہے کہ وہ ہر زمین پر یکساں روشنی ڈالتا ہے۔آگے جیسی زمین ہوتی ہے ویسا ہی اسے سورج کی روشنی سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔اسی طرح مریدین میں انفرادی طور پر جتنی استعداد ہوگی، اتنا ہی انہیں فائدہ ہوگا۔شیخ کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ (فیوضات۔۷۸)

فرمایا اگر کوئی شیخ اپنے مرید کو کچھ دینا بھی چاہے اور مرید کی استعداد نہ ہو، یا اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہو تو کچھ نہیں مل سکتا۔ (فیوضات۔۷۲)

عمل اور اخلاص کا اہتمام

حضرتؒ سے پوچھا گیا کہ عمل کا مدار اخلاص پر ہے، لیکن اخلاص کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا، اتنا باریک چلا جائے تو شاید کوئی بے چارہ بھی عمل نہ کر سکے۔ جس قدر ہو سکے عمل کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں گے اور قبول فرمائیں گے اور اخلاص بھی نصیب فرمائیں گے۔ (فیوضات۔۶۹)

اخلاق کی اصلاح کی فکر

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حب جاہ اور تکبر نکلے بغیر اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی۔ جب انکساری اور عجز آجائے، رسمی طور پر نہیں بلکہ ذوق و وجدان کے درجہ میں، تو اس وقت اصلاح ہوتی ہے۔ بزرگوں نے اسی لئے بڑی بڑی محنتیں اور خدمتیں لوگوں سے کروائی ہیں۔ (فیوضات۔۵۷)

حصول اخلاص کے لئے صحبت کی مدت

حضرت رائے پوریؒ سے پوچھا گیا کہ حصول اخلاص کے لئے صحبت کی کوئی مدت مقرر ہے کہ اس کے بعد اخلاص حاصل ہو جاتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ ہر شخص کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ کسی کو تھوڑی مدت کی صحبت سے اخلاص حاصل ہو جاتا ہے، اور کسی کو زیادہ مدت کی صحبت سے۔ دریافت کیا گیا کہ کیا اس کا فیصلہ شیخ ہی کر سکتا ہے کہ اب فلاں طالب کو اخلاص نصیب ہو گیا یا طالب خود بھی معلوم کر سکتا ہے؟ فرمایا شیخ ہی بتا سکتا ہے۔ خود طالب تو بسا اوقات غلطی کر جاتا ہے۔ (فیوضات۔۷۶)

توجہ کی حقیقت

ایک صاحب نے حضرت سے توجہ کے بارے میں پوچھا۔ حضرتؒ نے فرمایا توجہ، رابطہ،

شیخ کا نام ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اصل چیز تو شیخ سے مناسبت اور محبت ہے۔ (فیوضات۔۷۲)

ایک بار فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مشائخ توجہ دیا کرتے ہیں۔ لیکن اصل توجہ شیخ اور مرید کا آپس میں تعلق اور رشتہ محبت ہے۔

ایک دوسرے موقعہ پر توجہ کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی کہ توجہ (جس میں شیخ اپنی باطنی توجہ سے مرید کے دل میں محبت الٰہی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے) کوئی چیز نہیں، یہ وقتی چیز ہوتی ہے۔ اصل چیز تو کام کرنا ہے (یعنی طالب کا خود محنت کرنا)۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنے حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ) سے یہی سوال کیا تھا کہ توجہ کیا چیز ہوتی ہے تو حضرتؒ نے یہی جواب دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ جتنا مرید کا تعلق شیخ سے بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کو شیخ سے فیض پہونچتا رہتا ہے۔ (فیوضات۔۷۷)

صحبت شیخ ہی توجہ ہے

ایک خادم سے جو ایک بار حضرت کی خدمت میں تنہا بیٹھے تھے حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ جو پاس بیٹھنا ہے، اسی کو توجہ کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اسی پاس بیٹھنے کی برکت تھی کہ میرے حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ جو حضرت کے شیخ تھے) کے دل میں جو خیال آتا تھا وہی میرے دل میں آتا تھا۔ (فیوضات۔۷۸)

(۶)

ذکر

ذکر، محبت الٰہی کے حصول کا ذریعہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ کسی کونہ میں بیٹھ کر کسی کا نام لیتے رہیں تو مسمّٰی (جس کا نام لیا جائے) سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے، اور اس سے محبت بھی ہو جاتی ہے۔ جب انسان خداوند تعالیٰ کا نام کثرت سے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے محبت تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ اصلاح کا انحصار ذکر کی کثرت اور نیک صحبت پر ہے۔ (سوانح۔۳۲۶)

ذکر کی حقیقت

فرمایا کہ ذکر لسانی (مشائخ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زبان سے ذکر کرنا) صرف ایک ذریعہ ہے، مقصود نہیں۔ مقصود محض اللہ کی یاد ہے۔ اگر یاد الٰہی نصیب ہو جائے تو ذکر لسانی چھڑا دیا جاتا ہے۔ مگر بقا کے بعد بھی ترقی عبادات ہی سے ہے۔ یعنی قرآن پاک کا پڑھنا، ذکر الٰہی کرنا، اس سے ہی ترقی ہوتی ہے، خاموش بیٹھنے اور محض تدبر سے نہیں۔ (سوانح۔۳۲۸)

ذکر کا مقصود

مولانا سعید احمد صاحب ڈونگوی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ڈھڈیاں (حضرتؒ کے آبائی گاؤں) کے قیام میں جب صبح کو حضرتؒ سیر کے لئے تشریف لے گئے تو میں مسجد میں

بیٹھ کر اور اپنے اوپر کپڑا ڈال کے بہت رویا کہ اٹھارہ سال ذکر کرتے ہو گئے مگر تا ہنوز کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں حضرت کے تمام متوسلین کے پیچھے رہا، اور نالائق کسی کام کا آدمی نہ بن سکا۔

ایک گھنٹہ سے زیادہ بس روتا ہی رہا کہ حضرتؒ تشریف لے آئے اور مجلس لگی۔ میں نے اپنا منہ دھویا اور حضرتؒ کی مجلس میں جا بیٹھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بعض ذاکرین سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں ہوئے اور بہت روتے ہیں۔ بھلا اللہ کے بندو! اور کیا آسمان پر چڑھو گے؟ اللہ نے اپنا نام لینے کی توفیق بخشی اور ٹوٹا ہوا دل مرحمت فرمایا۔ اس پر حضرتؒ نے ایک گھنٹہ تقریر فرمائی، اور پھر مجھ سے فرمایا، ''مولوی صاحب! کچھ سمجھ گئے ہو؟'' مجھے اس وقت اتنا بسط ہوا کہ جیسے ہفت اقلیم کی سلطنت مل گئی ہو۔ (سوانح۔ ص ۳۴۵)

ذکر کا اثر

ایک سائل نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت وہبی ہے یا کسبی؟ (وہبی محبت سے مراد وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ طالب کی کوشش اور اس کی ریاضت ومجاہدہ کے بغیر محض اپنے فضل خاص سے اسے عطا فرما دیتے ہیں، جب کہ کسبی محبت میں اللہ تعالیٰ طالب کی کوشش اور مجاہدہ کو بنیاد بنا کر اسے اپنی محبت انعام کے طور پر عطا فرماتے ہیں)۔ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کی محبت مشائخ کی صحبت اختیار کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہبی طور پر ہو تو سبحان اللہ۔ فرمایا کہ ہم پنج وقتہ نماز میں پڑھتے ہیں ''و تبارك اسمك'' (بڑا بابرکت ہے نام آپ کا) جب کثرت سے اللہ کا نام لیا جائے گا تو ضرور برکت ہوگی۔ اس کو شیخ سعدیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

گِلے خوشبوئے در حمام روزے   رسید از دست محبوب بدستم

(باقی اشعار یہ ہیں۔

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری   کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من ِگل ناچیز بودم   ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(ایک دن حمام میں محبوب کے ہاتھوں خوشبودار مٹی مجھ تک پہونچی/ میں نے اس مٹی سے کہا کہ تم مشک ہو یا عبیر کہ میں تمہاری دلآویز خوشبو سے مست ہو گیا ہوں/ اس نے جواب دیا کہ میں تو ادنیٰ مٹی ہی تھی لیکن میں نے ایک مدت تک پھولوں کی صحبت پائی ہے/ اس کی برکت سے میرے اندر میرے ہمنشیں کی خوبی سرایت کرگئی ہے/ ورنہ اصلاً تو میں مٹی ہوں جس طور پر میری تخلیق کی گئی ہے۔) (فیوضات ۔۸۱۔۸۲)

ذکر کی ضرورت

حضرتؒ نے فرمایا کہ چونکہ اب آفتاب رسالت کا زمانہ (عہد نبوی) بہت دور ہو گیا ہے اس لئے وہ اثرات جو آنحضرتﷺ کی صحبت سے چشم زدن میں پیدا ہو جاتے تھے اب ان کے حصول کے لئے اذکار، مراقبات اور اشغال کی ضرورت ہے جو کہ بہ الہام الٰہی اولیاء اللہ پر منکشف ہوئے ہیں۔ (فیوضات ۔۸۳)

ذکر، یاد الٰہی کے دوام کا ذریعہ

فرمایا کہ ذکر لسانی (زبان سے ذکر) اور اس کی کثرت سے مقصود یہ ہے کہ اسم مبارک (اللہ کے پاک نام) کی برکت سے قلب میں اللہ تعالیٰ کی یاد بس جائے۔ اصل ذکر یاد ہی کو کہتے ہیں۔ جب یہ حاصل ہو جائے تو اس وقت دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت ہیچ نظر آتی ہے۔ فرمایا کہ ''وَتَبَارَكَ اسْمُكَ'' (بڑا بابرکت ہے نام آپ کا) یہ نعمت اللہ کے نام کی برکت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا کہ ''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا'' (المزمل:۸) (اور اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتے رہئے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کی طرف متوجہ رہئے)۔ یعنی ذکر اتنا کرنا چاہئے کہ یکسوئی حاصل ہو جائے۔ فرمایا کہ ہمارے حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ) فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ'' (البقرۃ:۱۵۲) (مجھے یاد کرتے رہو، میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا، اور میری شکر گزاری کرتے رہو، اور میری ناشکری نہ کرو)۔ گویا اس کی یاد شکر ہے اور غافل رہنا کفران

ہے۔فرمایا کہ اگر پانچ منٹ بھی اس طرح گزریں کہ غیر اللہ کا خیال دل میں نہ آئے تو یہ بھی بڑی چیز ہے۔(فیوضات۔۹۳)

مریض کو یادالٰہی کی ترغیب

ایک بار حضرتؒ نے فرمایا کہ انسان کو چاہئے کہ بیماریوں سے فائدہ اٹھائے۔یہ انسان کو بیدار کرنے کے لئے کارآمد ہیں تاکہ وہ گناہوں سے تائب ہو اور خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے یادالٰہی اور نیک کاموں میں کوشش کرے۔مریض کے سامنے اس مضمون کا مختصر مگر بہت مؤثر ذکر فرمایا کہ جہاں تک ہوسکے آپ اپنی توجہ خدا کی طرف لگانے کی کوشش رکھئے اور سوم کلمہ(سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الّا اللّٰہ واللّٰہ أکبر) ہر وقت پڑھتے رہئے اور اس میں یہ خیال رکھئے کہ شاید خداوند کریم یہ کلمہ قبول فرمالے۔(ارشادات۔۱۱۱۔۱۱۲)

(۷)

ذکر جہری وذکر قلبی

ذکر جہری: مولانا محمد انور شاہؒ کی رائے

ایک دفعہ جب حضرتؒ کی خدمت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی حاضر تھے حضرتؒ نے مولانا منظور محمد صاحب سے دریافت فرمایا کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ذکر جہری سے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ اس آیت مبارکہ ''وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلاَ تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ''(الاعراف:۲۰۵)(اوراپنے رب کواپنے دل میں عاجزی کرتا ہوا اور ڈرتا ہوا یاد کرتا رہ اور صبح وشام بلند آواز کی نسبت ہلکی آواز سے اور غافلوں سے نہ ہو۔) سے دوطرح کے ذکر کا جواز نکلتا ہے۔ایک سِرّی اورایک جہری جو کہ چیخ کر کرنے سے ذرا کم ہو۔''دون'' بمعنی کم، یعنی بہت زیادہ چیخ وپکار کے ساتھ نہ ہو۔ الغرض کسی طرح بھی ذکر سے غافل نہ ہو۔یہی آپ نے ''مشکلات القرآن'' میں بھی لکھا ہے۔سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ حضرت یہ عقدہ تو حل ہوگیا۔ مجھے کوئی دلیل ذکر جہری کے بارے میں نہ ملتی تھی، آج الحمدللہ مل گئی۔اور ذکر سرّی وجہری دونوں ثابت ہوگیا۔کسی پر اعتراض نہ کرنا چاہئے۔(فیوضات۔۱۱۶۔۱۱۷)

(ایک بار مکہ معظّمہ کے اپنے آخری سفر کے دوران حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے یہ حدیث قدسی پڑھی۔ ''إنَّ اللّٰه تعالى يقول أنا مع عبدي إذا ذكرني وتحركت بي شفتاه ''(اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں) (معارف الحدیث۔

ج ۵۔حدیث ۳)اور" وَتَحَرَّكتْ بي شَفَتاه " (اورمیری یادمیں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں) کی تشریح میں فرمایا کہ اس سے ذکر جہری کا جواز ملتا ہے۔جامع)

ذکر جہری اور ذکر قلبی کی علاحدہ علاحدہ افادیت

ایک صاحب نے پوچھا کے ذکر جہری زیادہ اچھا ہے یا ذکر قلبی؟ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ کسی کو ذکر جہری زیادہ مفید ہوتا ہے اور کسی کو قلبی۔اصل میں سلوک کے معنی چلنا ہے۔ اور ہر شخص کا چلنا مختلف ہے۔جتنے نفوس اتنے راستے۔تو جس کے لئے جو طریقہ شیخ مناسب سمجھے وہی اس کے لئے مفید ہے۔باقی ذکرلسانی سے مقصد دل پراثر ڈالنا اور محبت الٰہی پیدا کرنا ہے، جسے آثارذکر کہتے ہیں۔سلوک یعنی چلنا بغیر حرکت کے نہیں ہوتا۔اور حرکت کے بڑے طریقے یہ ہیں کہ زورزور سے (آواز کے ساتھ) ذکرلسانی کرنا کہ گرمی پیدا ہو اور گرمی سے حرکت پیدا ہو۔یا پھر حبس دم (سانس روک کر قلب کی طرف متوجہ رہنے) سے گرمی پیدا کی جاتی ہے۔یعنی سانس کے ذریعہ گرم ہوا کا نکلنا اور ٹھنڈی ہوا کا دل کی گرمی کو زائل کرنا ہے۔سانس روک لینا دل کو گرم کردیتا ہے جس سے دل میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔یا پھر توجہ دے کر دل کو گرماتے ہیں (یعنی شیخ اپنی باطنی توجہ سے مرید کے دل میں محبت الٰہی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے)۔اصل تو محبت ہے۔اس سے جو عشق و محبت پیدا ہوتی ہے اس کو جاری رکھنے کے لئے ذکر کرتے ہیں اور ذکر سے اس نفع (یعنی محبت الٰہی) کو تقویت پہونچاتے ہیں۔

توجہ (جو شیخ اپنی باطنی قوت سے طالب کے قلب پر ڈالتا ہے) سے جو حرکت پیدا کی جاتی ہے وہ عارضی ہوتی ہے۔اور بعض بلکہ اکثر اوقات مضر پڑتی ہے۔پھر حبس دم کا بھی یہی مقصد ہے۔لیکن سب سے اچھا طریقہ ذکرلسانی جہری (آواز کے ساتھ ذکر کرنا) سے حرکت اور گرمی پیدا کرنا ہے۔اور اصل تو ذکر قلبی ہے۔مگر لاکھوں میں ایک دو شخص ایسے مشکل سے ہوتے ہیں کہ وہ لسانی کے بجائے قلب سے ذکر پر جلد قادر ہوجائیں۔اس لئے لوگوں کی اکثریت کی ضرورت کے پیش نظر ذکرلسانی جہری کرایا جاتا ہے۔

(فیوضات۔۱۱۸۔۱۱۹)

ذکر جہری کے حدود

حضرتؒ نے فرمایا کہ ذکر تو آہستہ آواز کے ساتھ ہی کرنا چاہیئے اور حضرت والاؒ نے کر کے بھی دکھلایا کہ میرے حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ) نے تو مجھے اسی طرح کر کے بتایا تھا۔ مگر خود بخود شوق میں آواز بلند ہو جائے تو وہ ایسا جہر نہیں جس کی ممانعت ہے کہ چلاّ کر ذکر نہ کرو۔ اور رفع خیالات اور یکسوئی کی غرض سے شیخ اگر کسی کو زور سے ذکر کرنے کو فرمائے تو وہ ازالۂ مرض (غفلت جیسے مرض کو دور کرنے) کے لئے ہے۔

(ارشادات۔۶۰)

حضرتؒ کے ایک مرید نے عرض کیا کہ حضرت میں جب رات میں گھر میں ذکر (جہر) کرتا ہوں تو گھر کنبہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نیند میں خلل نہ ڈالو۔ مسجد میں کرتا ہوں تو مسجد کے قریب رہنے والے ایسا کہتے ہیں۔ اگر حکم ہو تو گاؤں سے باہر ایک جگہ ہے وہاں جا کر کر لیا کروں۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی جگہ کر لیا کرو جہاں لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ اور اگر باہر کرنے میں بھی دشواری یا خلاف مصلحت ہو تو گھر یا مسجد میں آہستہ سے ذکر کر لیا کرو ۔جیسے اب بات کر رہے ہو، اتنی آواز سے بھی ذکر جہر ہوسکتا ہے اور کسی کو تکلیف بھی نہیں ہوسکتی۔ (اس وقت یہ صاحب آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے) (ارشادات۔۱۴۸)

(٨)

ذکر کے اثرات وعلامات

ذکر میں انوار کا نظر آنا

ایک بار ایک شخص نے عرض کیا کہ انہیں اب ذکر واذکار کے دوران انوارات وغیرہ نظر نہیں آتے جیسا کہ پہلے نظر آیا کرتے تھے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جب تک لکڑی سلگتی رہتی ہے دھواں اور شعلہ دیتی ہے۔ جب کامل طور پر جل جاتی ہے تو شعلہ اور دھواں نہیں دیتی۔

(فیوضات۔١٠٦)

قلب میں نور پیدا ہونے کا مفہوم

ایک صاحب نے سوال کیا کہ قلب میں نور پیدا ہونے اور ذکر کے موثر ہونے کی کیا علامات ہیں؟ حضرتؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب ذکر سے اس قدر انس ہو جائے کہ چھوڑنے کو جی نہ چاہے، اور چھوڑنا طبیعت کو بہت ناگوار گزرے، اور جب تک ذکر پورا نہ کرلے، چین نہ آئے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ قلب میں نور پیدا ہو گیا ہے۔

(فیوضات۔١٠١)

انوار کا نظر آنا حقانیت کا معیار نہیں

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ قادیانی انوار کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کو نماز وغیرہ میں بہت حالات اور کیفیات پیش آتے ہیں اور گریہ وخشیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت سنبھل کر بیٹھ گئے اور جوش سے فرمایا، مولوی صاحب سنو! وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن

بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدَی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلَّی۔ النساء:۱۱۵(اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر (راہ) ہدایت کھل چکی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے گا اور مؤمنین کے راستہ کے علاوہ (کسی راستہ کی) پیروی کرے گا ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے)۔ حضرت کچھ اسکی تشریح فرمانا چاہتے تھے کہ میں نے کہا کہ حضرت بس سمجھ گیا۔اس کے بعد پھر اس مسئلہ میں کبھی کوئی کھٹک دل میں پیدا نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس آیت کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ضلالت وگمراہی کی صورت میں بھی جو لوگ مجاہدے اور محنت میں لگے رہتے ہیں ان کے لئے بھی ایسی صورتیں اور آثار ظاہر ہوتے ہیں جن سے ان کو اپنے مسلک کی تائید اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اور وہ اس میں اور زیادہ پختہ ہوجاتے ہیں۔اسی کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں استدراج ہے۔اسی لئے محض کشوف وانوار اور کیفیات وآثار، حقانیت اور مقبولیت کا معیار نہیں ہیں۔اصل معیار کتاب وسنت اور مسلکِ سلف سے مطابقت ہے۔(سوانح۔۶۳)

لطائف ستہ اور ان کا مقام

ایک صاحب نے ایک مجلس میں حضرتؒ سے لطائف ستہ کی تشریح دریافت کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اول لطیفہ قلب ہے، اس کا مقام دل ہے۔ دوسرا لطیفہ نفس ہے، اس کا مقام ناف کے پاس ہے۔تیسرا لطیفہ روح، سینہ کے داہنی طرف ہے۔ چوتھا لطیفہ سِرّ، اسی کے قریب ہے۔پانچواں لطیفہ خفی، پیشانی کے دونوں بھنوؤں کے درمیان۔ چھٹا لطیفہ اخفیٰ، سر کی چوٹی میں۔ (فیوضات۔۱۰۲)

لطائف کا جاری ہونا

فرمایا کہ ان لطائف کے جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ قلب حرکت کرے، یا انوار نظر آئیں۔ بلکہ ان کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے علوم سالک پر کھل جائیں۔ مثلاً قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ کہ ہر وقت اللہ کی طرف خیال رہے، اور دل سے دنیا اور ہر چیز

کی محبت نکل جائے۔اسی طرح لطیفہ نفس کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رذائل اور صفات خبیثہ (بری عادتیں اور غلط رجحانات) نکل جائیں، اور صفات حمیدہ (اچھی عادتیں) پیدا ہوجائیں، انکساری اور عاجزی پیدا ہوجائے، اور اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھے۔ جب یہ حالت ہوتو طالب سمجھے کہ کچھ چل پڑا ہے۔علیٰ ہذا القیاس دوسرے لطائف ہیں (یعنی یہ کہ ان کے معارف حاصل ہوجائیں)۔مزید فرمایا کہ انوار کا نظر آنا کوئی ضروری نہیں۔ یہ تو محنت اور ریاضت سے غیر مسلموں کو بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ بھلا وہ چیز کیسے معیار فضیلت ہوسکتی ہے جو غیر مسلموں میں بھی پائی جاتی ہو؟ پھر ہمارا ان سے کیا امتیاز ہوا؟

پھر فرمایا کہ بہت خوش قسمت ہیں وہ طبائع جن کو کچھ نظر نہیں آتا، اور مقصود تک رسائی حاصل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس میں بچلنے اور گمراہ ہونے کا اندیشہ نہیں۔ بخلاف ان کے جن کو انوار نظر آتے ہیں، کیونکہ ان کے بچل جانے اور گمراہ ہوجانے کا خدشہ ہے۔ (فیوضات ۔۱۰۲)

قلب کا جاری ہونا

ایک دفعہ حضرتؒ سے سوال کیا گیا کہ قلب کے جاری ہونے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ یہی تو ہے کہ ہر وقت اللہ، اللہ کرتے رہو۔ سبحان اللہ پڑھنا، الحمدللہ پڑھنا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رکھنا۔ یہی قلب کا جاری ہونا ہے۔ (فیوضات ۔۱۰۳)

ایک دوسرے موقعہ پر اس سوال کے جواب میں کہ قلب کے جاری ہونے سے کیا مراد ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ قلب کا جاری ہونا تو آثار ذکر کے پیدا ہوجانے کا نام ہے۔ نیک اعمال کی طرف رغبت ہونا اور ایک درجہ کا خلوص پیدا ہوجانا آثار ذکر ہے۔ لوگ ناواقفیت کی وجہ سے دل کی دھڑکن اور جسم کے تھرتھرانے کو قلب کا جاری ہونا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی چیز نہیں۔ (فیوضات ۔۱۱۳)

نورانیت سے مراد

نیز فرمایا کہ نورانیت سے کسی چمک کا نظر آنا مراد نہیں۔ بلکہ نیک اعمال کی طرف رغبت

ہونا گویا دل میں نورانیت کا آنا ہے۔ نیز فرمایا کہ ایک درجہ کا خلوص ہی آثار ذکر ہے۔
(فیوضات ۔۱۱۳)

نسبت کی حقیقت

مولانا نعمانیؒ نے نسبت کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ جو تعلق بندہ کو خدا سے ہوتا ہے وہی نسبت کہلاتا ہے۔ عام طور پر بھی لوگوں کو یہ تعلق اپنے مولا سے ہوتا ہے۔مگر معتد بہ اور وافر تعلق (اللہ سے مضبوط اور گہرے تعلق) کے لئے جو خصوصی ہو یہ لفظ بولتے ہیں۔مولانا کے مزید دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ تعلق اس وقت بھی رہتا ہے جب دھیان واستحضار نہ رہے۔مگر اللہ کے بندوں کو دھیان اور استحضار مسلسل بھی رہتا ہے۔ پھر نسبت کا رنگ سب کا ایک نہیں ہوتا۔کسی پر کوئی رنگ غالب ہوتا ہے، کسی پر کوئی ۔
(ارشادات ۔۲۲۴۔۲۲۵)

نسبت کی مزید تشریح

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ نسبت ایک دُکھن جیسی حرارت کا نام ہے جو کہ سالک کے قلب میں ذکر وشغل کے بعد پیدا ہوتی ہے۔اس سے یاد میں دوام پیدا ہوجاتا ہے۔مزید فرمایا کہ آخر میں آکر یہ کیفیت بھی بدن سے نکل جاتی ہے اور آدمی ویسا ہی رہ جاتا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔(سوانح ۔۳۴۱)

کیفیت قلب کا زائل ہوجانا

ایک سائل نے عرض کیا کہ شروع شروع میں تو ذکر سے سینے میں گرمی محسوس ہوتی تھی، بلکہ دل سے ذکر کی آواز سنائی دیتی تھی۔اب یہ حالت نہیں رہی۔ پہلے رقت بھی بہت ہوتی تھی۔ بعد میں یہ کیفیت بھی بالکل زائل ہوگئی۔فرمایا زائل نہیں ہوئی بلکہ جزو بدن ہوگئی۔ احساس ختم ہوگیا۔ یہ مبارک ہے۔ جب تک کھانا ہضم نہ ہو، پیٹ میں گرانی رہتی ہے۔ جب ہضم ہوجاتا ہے اور جزو بدن بن جاتا ہے تو کچھ گرانی نہیں رہتی۔

(فیوضات ۔۱۰۳۔۱۰۴)

قبض وبسط

حضرتؒ سے پوچھا گیا کہ قبض (نیک کاموں میں بھی دل کا نہ لگنا) اور بسط (نیک کاموں کے کرنے میں ذوق وسرور کی کیفیت کا ہونا) ہمیشہ رہتے ہیں یا بعد میں ختم ہو جاتے ہیں؟ اور یہ حالات سب کو پیش آتے ہیں یا صرف مبتدیوں کو؟ فرمایا کہ سب کو قبض پیش آتا ہے، پھر بسط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کو بھی ایسا ہوتا تھا کہ ابتدا میں وحی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی یہ خیال آتا تھا کہ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرادیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر تسلی دیا کرتے تھے۔ اور یہ آیات ''مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى۔ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى۔ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوَى۔ وَوَجَدَكَ ضَالّاً فَهَدَى۔ وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَأَغْنَى۔ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔'' (سورۃ الضحیٰ:۳-۱۱) (آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے۔ اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے (بدرجہا) بہتر ہے۔ اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر (آپ کو) ٹھکانہ دے دیا۔ اور آپ کو بے خبر پایا، سو راستہ بتا دیا۔ اور آپ کو نادار پایا تو مالدار بنا دیا۔ تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ اور سائل کو مت جھڑکئے۔ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا تذکرہ بھی کرتے رہا کیجئے۔) قبض کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی قبض پیش آیا کرتا تھا۔ چنانچہ ''وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ'' (الاحزاب:۱۰) (جب کلیجے منھ کو آنے لگے)، یہ آیت صحابہ کرامؓ کے قبض سے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (فیوضات۔۷۶)

ذکر کے اثرات کی حفاظت

ایک شخص نے عرض کیا، کہ حضرت نے جو ذکر بتلایا تھا اکثر سفر کی وجہ سے نہیں ہو پاتا یا تھوڑی مقدار میں ہوتا ہے۔ فرمایا کچھ مضائقہ نہیں، مجبوری ہے۔ عرض کیا کہ اس میں کچھ تبدیلی یا اضافہ فرمادیں۔ فرمایا ضرورت نہیں۔ اور فرمایا میرے حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ) نے بھی مجھے شروع میں جو ذکر بتلایا تھا آخر تک وہی رہا۔ اس پر کاربند

رہو۔اصل چیز اثر ہے۔بس اللہ تعالیٰ اسی میں اثر پیدا فرمادیں۔ (فیوضات۔۱۰۵)

ایک موقعہ پر حضرتؒ نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ حج کے موقعہ پر ایک صاحب نے حضرتؒ سے شکایت کی کہ میرا فلاں لطیفہ ابھی جاری نہیں ہوا۔ہم نے ان سے کہا کہ کیا آپ کو یقین نصیب ہوگیا یا عقائد اسلامیہ میں ابھی تردد ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ الحمدللہ کوئی تردد نہیں اور کامل یقین حاصل ہے۔اس پر ہم نے کہا کہ بس یہی مقصود ہے۔لطائف وغیرہ اس کے نیچے کے درجے کی چیزیں ہیں۔اور یہ ذکر و شغل یقین پیدا کرنے کے واسطے ہے۔

اسی طرح ایک صحبت میں حضرتؒ نے فرمایا کہ لوگ پتہ نہیں کیا سمجھتے ہیں۔ذکر کے اثرات تو یہ ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی ہوجائے، آخرت کا دھیان پیدا ہوجائے، دنیا اتنی جاذب نظر نہ رہے۔(فیوضات۔۱۰۶)

ذکر سے غفلت کا نقصان

ایک حاضر مجلس نے آیت قرآنی ”وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ “الزخرف:۳۶:(اور جو کوئی بھی (خدائے) رحمٰن کی نصیحت کی طرف سے اندھا بن جائے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں۔سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔) سے متعلق سوال کیا۔حضرتؒ نے فرمایا کہ جب آدمی ذکر نہیں کرتا اور اس سے اعراض کرتا ہے تو اسے شیطانی وسوسے آتے ہیں۔اور برے برے خیالات آتے رہتے ہیں۔یہی شیطان کا قرین (ساتھی) ہونا ہے۔ (فیوضات۔۱۰۳)

غفلت اور اس کا علاج

ایک صاحب نے سوال کیا کہ یہ جو غفلت ہوتی ہے کیا یہ نگاہوں کی شامت سے ہوتی ہے؟اور کیا گناہ غفلت کی وجہ سے ہوتے ہیں یا غفلت گناہوں کی وجہ سے؟

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ہاں ایسا بھی ہے(یعنی غفلت بدنگاہی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے)۔مگر غفلت تو دنیا کی تمام چیزوں کی طرف توجہ اور خدا کی یاد میں مشغولیت نہیں ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔جیسا کہ آیا ہے ”العلم حجابُ اُکبر“ کہ علم سب سے بڑا حجاب ہے تو یہ جو

رات دن ہم دنیا کی چیزوں کا علم حاصل کرتے رہتے ہیں اور یہ جی میں جم جاتا ہے اس سے غفلت ہوتی ہے۔ باقی گناہ کبھی نفس کی سرکشی سے ہوتا ہے۔ اور غفلت بھی اس کا سبب ہے۔

حضرتؒ سے اس غفلت کا علاج دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ مراقبہ اس کا علاج ہے۔ ہر شئ کو اس طرح دیکھئے کہ یہ نعمت باری تعالیٰ ہے تو یہ بھی غفلت سے بچاؤ ہے۔ اس طرح کرتے رہو تو رفتہ رفتہ غفلت جاتی رہتی ہے۔ (ارشادات۔۲۵۲۔۲۵۳)

رضائے الٰہی کی علامت

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ مجھ سے راضی ہو گیا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں حضرتؒ (عبدالرحیم صاحب رائے پوری) نے فرمایا تھا کہ جب انسان سے تمام برے اخلاق اور حب جاہ وغیرہ جاتے رہیں تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ہے۔ (ارشادات۔۲۷۳)

ایک حدیث قدسی کی وضاحت

ایک سوال کے جواب میں حضرت والاؒ نے یہ حدیث قدسی پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''میرا بندہ نوافل سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے، اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اَوکما قال''۔ اس کے بعد اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ کہ جب کوئی بندہ اس حدیث قدسی کا مصداق ہو جاتا ہے تو پھر جو بھی اس کے دل میں آتا ہے وہ بھی سب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور کامل اصلاح کا یہی مطلب ہے۔ باقی دل میں آنے والی کوئی بات اگر وحی پر مبنی شریعت کے خلاف ہو تو ایسا خیال توجہ کے لائق نہیں ہوتا اور وسوسہ نفسانی ہوتا ہے۔ کیونکہ وحی تو وحی ہے جس کے ذریعہ حق و باطل کو واضح کر دیا جاتا ہے اور اصولِ امور قائم کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جزویات کے اخذ کے لئے جزویات کی مثالیں بھی واضح کر کے راستہ کھولا جاتا ہے۔ آنکھیں، کان ہو جانے سے یہی مراد ہے کہ طالب کو کمال رضا، کمال اصلاح، خلوص نیت اور کمال فقاہت (دینی سوجھ بوجھ) حاصل ہو جاتی ہے۔ (فیوضات۔۱۱۲)

(۹)

ذکر کے آداب

مجاہدہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ مشکل کام اور جدوجہد کرنا ہی مجاہدہ نہیں۔ مجاہدہ تو دراصل نفس کے خلاف کرنے کو کہتے ہیں۔ مثلاً کسی بزرگ کی خدمت محنت کے ساتھ کرنا آسان بلکہ بعض اوقات نفسانیت ہوتا ہے مگر اس سے کم مشقت کا کام جس میں نفس کے خلاف کرنا ہو اور جسے طالب عار سمجھتا ہو وہ مجاہدہ ہوگا۔ (ارشادات۔۱۰۶)

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا مجاہدہ میں لذیذ مباحات کو چھوڑ دینا ضروری ہے تو فرمایا کہ مجاہدہ تو یہی ہے کہ ناجائز خواہشات سے نفس کو روکے رکھنا اور اسے شریعت کے حکم پر چلانا۔ باقی کسی حلال چیز کو مجاہدہ کے لئے حرام کر لینا جائز نہیں۔ اور علاج کے طور پر اگر کوئی چھڑا دے جیسے کہ اگر کوئی غیر شادی شدہ ہو اور شیخ اس کو ایسی چیزوں سے منع کرے جو شہوت کو بھڑکاتی ہوں تو یہ حرام کرنا نہیں۔ باقی کھانے پینے کی عام مشہور صورتیں جو بزرگوں سے منقول ہیں کہ وہ بہت کم کھاتے تھے یا بالکل نہیں کھاتے تھے یہ ان پر کوئی حال ہوتا تھا، تو جس پر وہ حال نہ ہو اس کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ورنہ پاگل ہو جانے یا کسی اور طرح بیمار ہو جانے کا ڈر ہے۔ (ارشادات۔۱۴۱۔۱۴۲)

ایک مجلس میں مجاہدات کے ثمرات کا ذکر آیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ غیر مسلم بھی مجاہدات کے ثمرات سے محروم نہیں رہتے۔ جو کرے گا وہ پائے گا۔ مگر اس سے رضائے الٰہی کا حاصل ہونا لازم نہیں آتا کہ وہ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

(ارشادات۔۱۵۴)

ذکر میں توجہ اور یکسوئی کا اہتمام

ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ بغیر پوری توجہ کے کوئی کام نہیں ہوتا۔اور پوری توجہ سے عام طور پر، اگر خدا کا فضل شامل حال ہو،تو درست طور پر ایک ہی کام ہوسکتا ہے۔جس طرح آپ حضرات یہ رمضان کا مہینہ یہاں رات دن ایک ہی خیال میں گزارنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر اسی طرح ایک زمانہ گزر جائے تو توجہ الی اللہ پیدا ہو جاتی ہے۔ایک مہینہ سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہاں اگر پوری توجہ سے کام لے تو تھوڑے عرصہ میں آثار ذکر پیدا ہو جاتے ہیں۔مگر حالات بدلنے پر جاتے بھی رہتے ہیں۔پختگی بڑی مشکل سے پیدا ہوتی ہے۔ (فیوضات۔۱۰۸)

ذکر میں استقامت

ایک دفعہ حضرتؒ نے فرمایا کہ جب تک سب کام چھوڑ کر ایک عرصہ تک پوری توجہ سے ذکر نہ کیا جائے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اس راہ میں تو مرتے دم تک چلنا ہی چلنا ہے۔کم از کم دس بارہ سال تک پوری یکسوئی سے ذکر کرنا چاہئے تب کچھ حاصل ہوتا ہے۔پھر فرمایا کہ میں بھی ابھی چل رہا ہوں۔ (فیوضات۔۱۲۰)

ذکر پر مداومت

حضرتؒ سلوک کی راہ اختیار کرنے والوں کو اس سلسلے میں کوشش کرتے رہنے اور ذکر پر مداومت (پابندی) کی تاکید فرماتے۔ایک دفعہ فرمایا کہ میں بھی ابھی چل رہا ہوں۔تم کو ایسی جلدی ہے۔مولوی عبداللہ فاروقی کو دیکھو کہ کہاں حضرت شیخ الہندؒ سے محبت اور بیعت تھی، اب میرے پاس ہیں،اور ابھی چل رہے ہیں۔

مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھتے ہیں:

مجھ سے ایک روز فرمایا کہ تمہارے دادا بزرگوار (مولانا اللہ بخش بھاول نگریؒ) بھی آخر عمر تک ذکر وفکر میں مرمٹے تھے۔تم بھی اسی راہ میں جان دے دینا۔پھر فرمایا: دیکھو ذکر واذکار مرتے دم تک نہ چھوڑنا۔تمہارے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت چلتے پھرتے بھی مراقب رہتے تھے۔بڑی ہمت کے ساتھ ذکر واذکار کرتے رہنا۔یہ نعمت اور نسبت ان کو اللہ کے نام

کی برکت سے ہی حاصل ہوئی۔اس لئے اللہ کے نام کو نہ چھوڑنا۔(سوانح۔۳۳۷)

مولانا عبدالوحید صاحب فرماتے ہیں:

گھوڑا گلی کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ حضرتؒ پر مرض کا شدید حملہ ہوا۔ نہ کھڑے ہو سکتے تھے، نہ بیٹھنے کی طاقت تھی۔سانس پھولتی تھی اور نیم بیہوشی کا عالم تھا۔اسی حالت میں، میں نے عرض کیا کہ عشاء کی نماز کا وقت ہے، وضو کروا دیں؟ اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ہم دونوں بھائیوں نے اٹھانے کی کوشش کی۔مشکل سے تھام کر غسل خانے تک لے گئے۔وضو کرانے جب بیٹھے تو فرمایا کہ کون ہو؟ میں نے اپنا نام اور مولانا عبدالجلیل صاحب کا نام بتایا۔یہ سن کر فرمایا: بیٹا میرا کچھ ٹھیک نہیں کس وقت چل پڑوں۔تمہیں صرف ایک ہی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ کے ذکر کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔چاہے کچھ نظر آئے یا نہ آئے۔نہ نظر آئے تو بہت اچھا ہے۔اور اس میں کسی کی نہ ماننا، چاہے کوئی کتنے ہی دلائل دے۔مجھے تم اس میں تجربہ کار سمجھو۔ارے ابھی تمہیں تجربہ نہیں ہوا۔تم نے اپنے ماموں اور چچا کو نہیں دیکھا؟ کتنا غبی، کتنا کند ذہن۔چند روز اللہ کا نام لیا اور کتنی برکتیں ہوئیں۔ (سوانح۔۳۳۸)

قلب میں کسی بات کے آنے کی وضاحت

اس سوال کے جواب میں کہ ایک مدت کے بعد جب ذاکر کے دل میں کوئی بات آتی ہے تو کیا وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے؟ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، مگر اس میں نفس کے دھوکے بھی ہیں۔اور اس میں نفس کا ایک بڑا فریب یہ ہے کہ ایسا طالب حق، حالات (کیفیات) کو مقام (باطنی ترقی کا درجہ) سمجھنے لگتا ہے۔بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کا سلوک چار ماہ میں طے ہو گیا۔مگر جب ان سے دریافت کیا گیا کہ استقامت کتنے عرصے میں حاصل ہوئی تو فرمایا، پچیس سال میں۔

باقی ذاکر کے دل میں آنے والی کیفیت کیسی ہے اس کا اندازہ تجربہ سے ہوتا ہے۔پس جلدی نہ کرے۔اعتدال کے ساتھ چلتا رہے۔ (فیوضات۔۱۲۳۔۱۲۴)

دیگر مشاغل نہ چھوڑ سکنے والوں کو بھی ذکر کا فائدہ

ایک حاضر مجلس نے عرض کیا کہ حضرت ہم جیسے لوگ جو عامی ہیں اور جو اور مشاغل نہیں

چھوڑ سکتے کیا ان کو بھی ذکر کرنے سے کچھ فائدہ ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں، کیوں نہیں، ضرور ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی ترقی تو قبر میں، بلکہ جنت میں بھی جاری رہے گی۔ اور چونکہ باری تعالیٰ کی ذات وصفات لامتناہی ہیں، لہٰذا انسانی ترقی کبھی ختم نہ ہوگی۔ (فیوضات۔۱۰۹)

ذکر بغیر دھیان کے بھی نفع بخش

اس سوال کے جواب میں کہ اللہ کا نام بغیر دھیان کے لیا جائے تو بھی نفع بخش ہے یا نہیں؟ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ہاں ہے۔ ''وتبارك اسمك '' (بڑا بابرکت ہے نام آپ کا)۔ چنانچہ اللہ کا ذکر، اللہ کے دھیان کی طرف لاتا ہے۔ اور ذکر اگر دھیان سے ہو تو زیادہ نفع ہوتا ہے۔ (فیوضات۔۱۱۳۔۱۱۴)

حضرتؒ نے ایک بار فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ

برزباں تسبیح ودردل گاؤخر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

(زبان پر اللہ کا ذکر اور دل میں گاؤخر کا خیال، ایسی تسبیح سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟)، تو ہم نے اس کے برعکس بھی تاثیر دیکھی ہے کہ غفلت سے کیا جانے والا ذکر بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر (کہ اس طرح کی تسبیح کا بھی اثر ہوتا ہے)۔ جب ''وتبارك اسمُك'' ہم روزانہ نماز میں پڑھتے ہیں۔ سورہ رحمٰن میں ہے ''تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ''الرحمٰن:۷۸ (بڑا بابرکت نام ہے آپ کے پروردگار، عظمت والے احسان والے کا۔) تو اللہ کا نام اثر سے کب خالی ہے؟ اگر دوا کی تاثیر معلوم نہ بھی ہو تو بھی دوا اثر رکھتی ہے۔ تو پھر کیا اللہ کا نام اثر نہ رکھے گا؟ ہاں اگر توجہ سے ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ (فیوضات۔۱۰۳)

(۱۰)

ذکر کیسے کیا جائے؟

شیخ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ذکر کرنے کی فضیلت

ایک صاحب نے یہ سوال کیا کہ کیا ذکر کا کوئی مقررہ طریقہ ہے جو ضروری ہے؟ یا ذکر مقصود ہے، خواہ کسی طریقے سے ہو؟ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ بزرگوں نے جو طریقے مقرر فرمائے ہیں چاہیئے کہ اسی قاعدے اور طریقے سے ذکر کیا جائے۔ اس سے جلد نفع ہوتا ہے۔ اور ویسے بھی ذکر کیا جائے تو خالی از نفع نہیں۔ مگر اس طرح دیر میں اور ادھورا سا نفع ہوتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ نفع سے ثواب مراد ہے جو آخرت میں معلوم ہوگا یا کچھ اور؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہے تو ثواب مگر مراد یہ ہے کہ آثار ذکر پیدا ہو جائیں اور انوار پیدا ہو جائیں۔ آثار ذکر یعنی انسان کا دل خدا کے سوا غیر کی محبت سے چھوٹ جائے، اور کچھ اللہ تعالیٰ سے انس پیدا ہو جائے۔ (فیوضات۔۱۱۱)

ذکر جہری میں احتیاط

ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر قوت ہو تب ذکر بالجہر (آواز کے ساتھ) کرنا چاہیئے۔ اثر جلدی ہوتا ہے۔ لیکن اگر طبیعت کمزور ہو تو ہرگز زیادہ بلند آواز سے ذکر نہ کرے ورنہ طبیعت مختل ہو جائے گی اور دماغ خراب ہو جائے گا۔ (فیوضات۔۱۱۵)

ذکر میں استعداد کا لحاظ

ایک صاحب کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ ذکر جہر جیسا کہ آپ سمجھے صرف ونحو کی

طرح ہے جو بعد میں ضروری نہیں ہوتا۔ نیز فرمایا کہ سالک کی استعداد دیکھ کر ذکر و شغل کرانا چاہئے جس کی استعداد زیادہ نہ ہو اسے تھوڑا چلا کر اسی پر لگے رہنے اور دوسرا کام دیکھنے کو کہنا چاہئے۔ جس کی استعداد بلند نہ ہو اسے زیادہ ذکر وغیرہ میں نہ لگنا چاہئے ورنہ دماغ خراب ہو جایا کرتا ہے۔ (ارشادات۔۲۳۴)

ذکر میں نیت کی برکت

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر کوئی دنیا کے کاموں میں مشغول ہو، وہ اس حال میں اگر پورا خیال اللہ کی طرف رکھے تو دوسرے کام نہ ہو سکیں تو پھر کیا ہو؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہاں یہ درست ہے۔ مگر جو اس حال میں بھی خیال رکھنے کی کوشش کرتا ہے خواہ وہ نہ رکھ سکے، وہ ناظرہ خواں کی طرح زیادہ ثواب اپنی کوشش کی وجہ سے پاتا ہے۔ (ارشادات۔۲۷۲۔۲۷۳)

ذکر میں رسوخ کی اہمیت

ایک سائل نے جو پہلے سے ذکر کرتے تھے حضرت سے مزید ذکر کے لئے کچھ بتانے کی درخواست کی۔ تو حضرتؒ نے ان سے دریافت کیا کہ جو ذکر وہ پہلے سے کرتے ہیں اس کا وہ کیا اثر محسوس کرتے ہیں؟ حضرتؒ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا دعاء میں طبیعت لگتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کبھی جی لگتا ہے کبھی نہیں۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ پہلے پڑھنے (ذکر کرنے میں) میں چوہے لیٹے ہوئے ہیں (یعنی ناپختگی ہے)۔ اور مزید ذکر کیا بتاؤں؟ یاد رکھنا خط میں بھی اور کچھ بتانے کا مطالبہ نہ کرنا۔ یہ دعا سے دلچسپی جو ہوتی ہے اسے اچھی طرح نمایاں ہونے دو۔ اگر جی چاہے تو اسم ذات (اللہ، اللہ کا ذکر) اور بھی بڑھا سکتے ہو۔ (فیوضات۔۱۱۰)

ایک مدت تک ذکر کا اہتمام کرنا

حضرتؒ نے فرمایا کہ طالب حق اتنا ذکر کرے کہ اسے ذکر کی بھوک لگ جائے اور بغیر ذکر کئے چین نہ پڑے۔ جیسے کہ بھوکے کو کھانا کھائے بغیر چین نہیں آتا۔ خواہ کتنا ہی غبی کیوں نہ ہو، تین چلے (چار مہینے) باشرائط ذکر کرنا آثار ذکر پیدا کر دیتا ہے۔ جب ذکر کی بھوک لگ گئی تو کام

بن گیا۔ حضرت میاں عبدالرحیم قدس سرہ سہارنپوریؒ فرماتے تھے کہ مضبوط جوان آدمی جب قوت کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو تھوڑے ہی دنوں میں صاحب تصرف ہو جاتا ہے۔ (فیوضات۔۱۰۴)

جس ذکر میں زیادہ جی لگے وہی ذکر کرنا

حضرتؒ نے فرمایا کہ طالب حق کو جس وقت جس ذکر سے زیادہ مناسبت ہو اس وقت وہی ذکر کرے۔ مثلاً قرآن شریف پڑھنے میں جی لگے، یا درود شریف، استغفار، نفی اثبات (لا الٰہ الاّ اللہ) اور اسم ذات (اللہ، اللہ کے ذکر) میں سے جس سے ذوق بڑھے وہی ذکر کرنا چاہئے۔ (فیوضات۔۱۰۴)

ذکر کے دوران اشعار پڑھنا

کسی نے دریافت کیا کہ (ذکر کے دوران) اشعار کا پڑھنا کیسا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ طبیعت مائل کرنے کے لئے دو چار شعر پڑھ لے۔ مستقل طور پر نہیں۔ (فیوضات۔۱۰۴)

ذکر میں ذوق اور بے خودی مقصود

ایک دفعہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر ذکر اس طریقہ سے کروں جس طریقہ سے سکھایا گیا ہے اور بزرگوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حرکات اور شد و مد کے ساتھ کیا جائے تو کچھ اثر محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر جلدی جلدی ضربات کے ساتھ کرتا ہوں تو ایک قسم کی بے خودی سی محسوس ہوتی ہے، اور بہت ذوق محسوس ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ بے خودی ہی مقصود ہے۔ جس طریقہ سے چاہو کوئی پابندی نہیں ہے۔ جس طریقہ سے مقصود حاصل ہو اسی طرح کرو۔ (فیوضات۔۱۱۶)

ذکر میں وجد

فرمایا کہ اگر ذکر میں وجد نہ ہو تو بتکلف وجد کی کیفیت بناؤ۔ (ارشادات۔۱۰۶)

قرآن کی ناظرہ تلاوت

ایک سوال کے جواب میں ایک بار حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ قرآن پاک اپنی نصیحت

کے لئے ترجمہ سے بھی لیا جائے (یعنی اس کے معانی اور مطلب سمجھنے کی غرض سے ترجمہ کے ساتھ بھی پڑھا جائے)، مگر ویسے بھی (یعنی ناظرہ تلاوت) بھی ضرور پڑھا جائے کہ اس میں بھی (اجر وثواب کے ساتھ ساتھ) بڑی تاثیر ہے۔ (فیوضات۔۱۱۴)

قرآن مجید کی تلاوت میں استحضار کا اہتمام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت رائے پوریؒ کے ایک خادم کی بیان کردہ روایت تحریر فرماتے ہیں:

جب حضرتؒ کی صحت اچھی تھی تو رمضان المبارک میں بعد نماز عصر مجلس سے الگ تنہائی میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ ایک صاحب جو وہیں رہا کرتے تھے بتاتے ہیں کہ میں ادھر سے گذرا، تو حضرتؒ کی قرآن پڑھنے کی کیفیت کچھ کھلی، اور بہت ہی بھلی معلوم ہوئی۔ میں نے دل ہی دل میں بے ساختہ یہ دعا کی کہ اے اللہ اس طرح پر قرآن پڑھنا ہم کو بھی عطا فرمادے۔ رمضان المبارک گزرنے کے بعد غالباً حضرتؒ نے انہیں صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ ''آؤ تمہیں بتلائیں، قرآن ایسے پڑھا کرو۔ وہ جو قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے باتیں کرتے اور ایک درخت سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔ اپنے کو وہی درخت تصور کرو اور پھر اپنے میں سے قرآن پاک کے نکلتے ہوئی الفاظ کو یوں سمجھو کہ یہ خدائے پاک فرما رہے ہیں، اور کانوں سے اسی انداز پر سنو کہ میں اپنے اللہ کا کلام، اللہ ہی کی آواز میں سن رہا ہوں۔'' اور اس طرح فرماتے ہوئے حضرتؒ نے یہی کیفیت سراپا اپنے اوپر طاری کرلی۔ اس فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ جیسے وہی کیفیت دل میں اتر گئی۔ وہ صاحب یوں بتاتے ہیں کہ مدت تک قرآن پاک ایسی ہی کیفیت کے ساتھ پڑھنا نصیب ہوا اور بہت ہی لطف آیا۔ یہ انداز قرآن پاک کی تلاوت کے سلسلے کی ترقیوں میں نئے نئے اضافوں کا سبب بنا۔ (سوانح۔۲۴۷۔۲۴۸)

اسم ذات کا ذکر

حضرتؒ نے فرمایا کہ نماز، تلاوت قرآن مجید، ذکر اسمائے الٰہی، یہ سب ذکر الٰہی میں شامل ہیں۔ البتہ ذکر اسم ذات (اللہ، اللہ کا ذکر) سے احساس آدمی کو ذرا جلدی ہوجاتا ہے،

اور دوسرے اذکار سے ذرا دیر میں۔(ارشادات۔۲۱۱)

اسم ذات کے ذکر کا طریقہ

حضرتؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ کہ اسم ذات (اللہ،اللہ) کا ذکر کرتے وقت طالب یہ دھیان کرے کہ مسمّٰی (جس کا نام لیا جا رہا ہے، یعنی اللہ) اور اسم (یعنی لفظ اللہ) ایک ہیں (یعنی لفظ ''اللہ'' کہتے وقت ذاکر کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا دھیان ہو)۔ (فیوضات۔۱۱۵)

ایک صاحب کو اسم ذات کا ذکر بڑھانے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا، یاد رکھو اصل میں اسم ذات یعنی اللہ، اللہ کا ذکر ہے۔ اور نفی و اثبات (لا الہ الاّ اللہ) اس کی تائید و تقویت کے لئے ہے۔(ارشادات۔۱۰۷)

اسماء حسنٰی کا ذکر

حضرتؒ نے غفلت کے دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بیان فرمایا کہ طالب حق اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی (اللہ تعالیٰ کے نام) کا ذکر اور دعا اختیار کرے (یعنی اسمائے حسنٰی کا ذکر کرے اور ان کے وسیلے سے دعا کا اہتمام کرے)۔ حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ جو لوگ اسمائے حسنٰی کے ذکر میں کجی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں یعنی ان اسماء کے ذریعہ دعاء کے مؤثر ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے اور اس پر عمل نہیں کرتے، وہ علاج سے محروم رہتے ہیں۔ ورنہ یہ غفلت کا مؤثر علاج ہے۔ (فیوضات۔۱۱۴)

اسم اعظم

فرمایا جس اسم (اللہ کے پاک اسماء میں سے جس نام) سے طبعی مناسبت ہو اور نفع محسوس ہونے لگتا ہے، وہی اس شخص کے لئے اسم اعظم ہے۔(ارشادات۔۲۶۲)

نفی و اثبات اور اسم ذات کے ذکر کا طریقہ

حضرت رائے پوریؒ نے مندرجہ ذیل خط میں نفی و اثبات (لا الہ الاّ اللہ) کے ذکر کے

طریقے کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

عزیز بابو محمد حسین صاحب سلمہ۔ از احقر عبدالقادر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تمہارا خط ملا۔ خیریت معلوم ہوئی۔ احقر بھی بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت ہے۔ ذکر نفی و اثبات میں 'لا الٰہ' جب کہا جائے تو سب چیزوں یعنی ماسوائے اللہ کے وجود کی نفی کا تصور کیا جائے۔ اور جب 'الا اللہ' کہا جائے تو حق تعالیٰ جل شانہ کی ذات والا صفات کے وجود کا تصور کیا جائے۔ ذکر اسم ذات (اللہ، اللہ کے ذکر) میں محض ذات باری تعالیٰ کا وجود خیال میں رہے۔ اور یوں خیال ہو کہ حق تعالیٰ کے سامنے ہم ذکر کر رہے ہیں اور وہ سن رہے ہیں، اور ایک نوران کی ذات والا صفات سے نکل کر ہمارے سینے میں داخل ہو رہا ہے۔ باقی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو اپنی مرضیات سے نوازے۔ والسلام۔ از رائے پور ۱۰ر ستمبر ۱۹۵۱ء

(فیوضات۔ ۱۱۹)

کلمہ طیبہ کے ذکر کا طریقہ

ایک مرتبہ ایک سائل نے پوچھا کہ کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) کا ذکر کرتے وقت کیا خیال کرنا چاہئے؟ فرمایا کہ اصل اصول تو یہ ہے کہ اس کلمہ کے ذکر میں اسم اور مسمّٰی (اللہ کا نام اور اللہ کی ذات) ایک ساتھ ذہن میں آئے۔ مگر مبتدی کے لئے یہ مشکل، بلکہ محال ہے۔ اس لئے کوئی تصور ساتھ بتایا جاتا ہے تاکہ خیال ادھر ادھر بھٹکنے کے بجائے ایک چیز پر جمع ہونے لگے۔ اس کے بعد پھر اسم (اللہ کے نام) سے بھی ختم ہو کر مسمّٰی (اللہ کی ذات) میں جا لگے۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں تو ہوتا ہے۔ اسی لئے مختلف تصور کئے جاتے ہیں۔ (فیوضات۔ ۱۱۸)

درود شریف کے ذکر کا طریقہ

ایک صاحب نے پوچھا کہ درود شریف پڑھتے وقت کیا خیال کیا جائے؟ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ درود شریف پڑھتے وقت اس دھیان کو جمانے کی کوشش کرو کہ گویا تم حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر پر بیٹھے صلوٰۃ وسلام پڑھ رہے ہو۔ اور روضۂ پاک کا فیض اس طرف تمہارے قلب میں آ رہا ہے۔ (فیوضات۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸)

استغفار کا طریقہ

ایک بار کسی نے حضرت اقدسؒ سے دریافت کیا کہ استغفار کے وقت کیا تصور ہونا چاہئے؟ فرمایا کہ استغفار کے معانی ہیں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، توبہ کرنا، پشیمان ہونا، اپنے گناہوں کو یاد کرنا اور ان پر افسوس اور ندامت ہونا۔ اگر کوئی کہے کہ میرے اندر کوئی گناہ نہیں تو یہ کہنا ہی سب سے بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ انسان کا وجود سراپا گناہ ہے۔ اور اپنے کو گناہ سے پاک سمجھنا، اور اپنے آپ کو کچھ سمجھنا تکبر ہے۔ اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ چپ رہنا اور غفلت میں ہونا یہ بھی گناہ ہے۔ ذکر سے انسان کو اپنی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ میں عیب ہی عیب ہوں۔ ذکر کرنے سے انسان کے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اس پر اپنی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ میں تو سب سے بدتر ہوں۔ اور انسان یہ سوچے کہ میں ایک ناپاک چیز ہوں، مالک الملک کے دربار میں حاضر ہونے کے لائق نہیں۔ یہ تو بادشاہ کی عنایت وشفقت ہوگی کہ اس کو آنے کی اجازت دیں۔ ورنہ اپنی گندگی کے سبب وہ ہرگز اس قابل نہیں، بلکہ ہٹا دئے جانے کے قابل ہے۔ (فیوضات ۔۹۰۔۹۱)

مراقبہ کی اہمیت

ایک بار حضرتؒ نے فرمایا کہ مقصود کار کے لئے مراقبہ بہت ضروری ہے۔ اور ذکر، مراقبہ کا معاون ومددگار ہے۔ بلکہ بعض ذاکر ذکر میں ہی ترقی کر کے مراقبہ کر سکتے ہیں۔ اور دعاء کا مراقبہ بہت اچھا ہے۔ (فیوضات ۔۱۱۴)

ایک صاحب کے یہ عرض کرنے پر کہ بیماری میں ذکر چھوٹ جاتا ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ مجبوری ہے۔ مگر چھوٹنے کا اثر ہوتا ہے کہ طبیعت ہٹ جاتی ہے۔ پھر بڑی مشکل سے اس حالت پر آتی ہے، ورنہ نہیں آتی۔ ہاں ہو سکے تو (ایسی حالت میں) دعاء میں مشغول رہے کہ یہ ذکر اور مراقبہ کا کام دیتی ہے۔ بلکہ دعاء عبادات کا مغز ہے۔ (فیوضات ۔۱۰۵)

مراقبہ، باطنی امراض کا علاج

ایک مجلس میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ دل میں جو (دنیاوی) خیالات آتے رہتے

ہیں یہ بالکل تو بعض خاص طبائع والوں کے نہیں جاتے، البتہ مجاہدات سے ان میں کمی آجاتی ہے۔ اور اگر انسان یہ خیال کرے کہ یہ بھی سب ادھر سے آرہے ہیں جس طرح کہ ''سب افعال کا خالق اللہ ہے'' کا مراقبہ کیا جاتا ہے، تو یہ خیالات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ اور وحدت الوجود کے سب مراقبے درحقیقت بعض امراض کے علاج ہیں۔ حقیقت تو وہی ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ یہ مراقبات بعض اوقات حقائق کے سوا بھی ہوتے ہیں جو کہ بطور علاج ہوتے ہیں، جیسے درود شریف پڑھتے ہیں تو خیالات کے انتشار کو روکنے کے لئے یہ تصور کر لینا کہ حضورﷺ کے روضہ کے سامنے بیٹھا پڑھ رہا ہوں اور ادھر سے ایک نور میرے قلب میں آرہا ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا اکثر واقعتاً نہیں ہوتا۔ (ارشادات۔ ۱۶۱۔۱۶۲)

احسان اور شکر گزاری کا مراقبہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے والی اس کی صفات خاص طور پر تین ہیں۔ جمال، کمال اور احسان۔ ہر شئ کی خوبصورتی اللہ کے جمال کا پرتو ہے اور خوبی اللہ کے کمال کا اور انسان کے ساتھ اس کا تعلق احسان ہے۔ شکر گزاری بندہ کی یہ ہے کہ وہ ہر شئ کا جو عطیہ باری ہے شکریہ ادا کرے۔ نہ صرف زبان سے بلکہ دل سے۔ یعنی غور و فکر کرے کہ وہ خود لاشئ تھا (کچھ بھی نہیں تھا)، اللہ نے اس کو وجود بخشا، اور خلقی نقائص سے مامون رکھا۔ اگر دودھ پینے کا الہام نہ فرماتا تو ماں باپ اور دنیا بھر کے طبیب وڈاکٹر بھی مل کر کچھ نہ کر سکتے۔ مگر اللہ نے اس کے خوراک پانے کا انتظام فرما کر ربوبیت فرمائی۔ اس طرح زندگی کے ہر لمحہ میں اللہ کے کتنے احسانات ہوتے ہیں کہ انسان گن بھی نہیں سکتا۔ اگر انسان مراقبہ کرے تو وہ اپنے اوپر خدا کے احسان بے شمار محسوس کرے اور دل وجان سے شکر میں جھک جائے۔ یہ راستہ (یعنی اللہ کے احسانات کا مراقبہ) خدا تک پہونچنے کا، اس کا قرب حاصل کرنے کا، اس کی بندگی اختیار کرنے، اس کی ناراضگی سے دور رہنے کا اور رضا حاصل کرنے کی والہانہ آمادگی اس کے اندر ابھرنے اور جوش میں آنے کا بڑا آسان، مضبوط و مامون اور بے غل وغش راستہ ہے۔

باقی اللہ کے جمال وکمال کی صفات کا مراقبہ بھی ہے، مگر وہ راستے (اللہ کے جمال وکمال کا

مراقبہ) احسان کے راستہ سے زیادہ آسان، عام اور مامون نہیں ہیں۔ جمال حالانکہ اسی اللہ میں سے ہے اور اسی میں حقیقتاً ہے اور ماسوا کا تمام جمال اسی کا پیدا کردہ اور عطیہ ہے۔ مگر اس (اللہ کے جمال کے مراقبہ) میں ٹھوکریں بے حد ہیں اور اسی لئے عشق مجازی کے راستے پر جانے والے اکثر منزل تک نہیں پہونچتے۔ راستہ میں رہ جانے کی وجہ سے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اور کمال (اللہ کے کمال کے مراقبہ) کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ فلسفی اور سائنس دان پر تو آج کل مادیات کا اثر چھا گیا ہے۔ اگر یہ ماحولی بات نہ بھی ہو تو بھی اس میں بہت کچھ بہکاوٹ اور فریب راہ ہے۔ لیکن راستہ یہ بھی ضرور ہے اور اعلیٰ ہے، مگر پھسلنوں سے پرُ اور مہلک چیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ ان سب میں احسان اور شکرگزاری (کے مراقبہ) کا راستہ ہی زیادہ لوگوں کی عام طبائع کے موافق آسان، عام اور مامون ہے۔ (ارشادات۔۲۳۵۔۲۳۶)

پورے جسم سے اللہ کے ذکر کا تصور

حضرتؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ قلب کی طرف، پھر سارے بدن کی طرف توجہ کر کے یہ خیال کرنا کہ قلب اور جسم کے ہر عضو سے اللہ، اللہ کی آواز آرہی ہے اور میں سن رہا ہوں۔ اس کے نتیجہ میں یکسوئی پیدا ہوجاتی ہے۔ (فیوضات۔۱۱۶)

ایک دفعہ مجلس میں لطائف سے متعلق باتیں ہورہی تھیں۔ بعض حضرات نے ذکر کیا کہ بزرگوں نے لطائف کے مختلف مقامات لکھے ہیں اور ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہر ایک کا اپنا حال ہے۔ جس نے جہاں نور دیکھا وہاں لطیفہ سمجھ لیا۔ مجھے تو حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) نے یہی فرمایا تھا کہ سارے جسم کی طرف توجہ کرنی چاہئے کہ میرا جسم اللہ، اللہ کررہا ہے۔ عجب نہیں اللہ تعالیٰ جسم کے کسی حصہ پر فضل فرمادیں۔ بس وہی لطیفہ ہے۔ (فیوضات۔۱۱۶)

ذکر کی تعداد، مدت اور پابندی

ایک بار حضرتؒ نے ایک حاضر مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس طرح کہ کبھی کوئی ذکر کیا پھر چھوڑ دیا، کوئی بات نہیں بنتی۔ میرا خیال ہے کہ تین چلے (چار ماہ) تو باقاعدہ پابندی سے بلا ناغہ

پورے اہتمام سے ذکر کرنا چاہئے۔اور ذکر گیارہ تسبیح نفی واثبات (لا الہ الا اللہ) اور چار ہزار بار اسم ذات (اللہ، اللہ) ٹھیک شدومد اور دھیان واہتمام سے کرے۔جس کی طبیعت کشف وغیرہ کی ہو، اسے اس سے کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ورنہ آثار ذکر کچھ نہ کچھ پیدا ہو جاتے ہیں۔اور خدا کو منظور ہو تو ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ اس طرح ذکر کرنے والا جب کوئی کام کرے تو امید ہوتی ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ اخلاص کا دخل ہوگا۔ویسے تو ہر کام میں عموماً نفس کا ہی حصہ ہوتا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ذہین لوگوں کو یہ چیز بہت جلدی حاصل ہو جاتی ہے۔اور کچھ زیادہ ذکر وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔مگر آج کل ہماری طبیعتیں غبی ہی ہوتی ہیں، الّا ماشاء اللہ۔ اس لئے ضروری ہے کہ طالب حق تین چلے کا اہتمام کرے۔اس کے بعد وہ کوئی اپنا کام کرنے لگے، اور ذکر کا بھی اہتمام رکھے۔ (فیوضات۔۱۲۰۔۱۲۱)

پھر فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص روز گیارہ تسبیح نفی اثبات (لا الٰہ الّا اللہ) اور چالیس تسبیح اسم ذات (اللہ، اللہ) کا شدومد کے ساتھ ذکر کرے تو دو ماہ میں آثار ذکر پیدا ہو جاتے ہیں۔(فیوضات۔۱۰۶۔۱۰۷)

ذکر میں ناغہ کی قضا

حضرتؒ نے ذکر سے متعلق ایک صاحب کو جو اصل مخاطب تھے فرمایا کہ اب یہاں یا گھر پر رہ کر تین چلّے پابندی سے اس طرح لگاؤ جس طرح نماز فرض سمجھ کر ادا کیا کرتے ہیں کہ پکے نمازی پر خواہ کوئی حادثہ آئے یا کچھ اور ہو تو بھی وہ نماز ادا کر ہی لیتا ہے۔اور اگر کسی وقت مجبوری سے رہ جائے تو اسے بہت افسوس ہوتا ہے اور قضا کرتا ہے۔اسی طرح اگر کبھی ذکر ناغہ ہو جائے تو رات کا ذکر دن میں کرلے اور دن کا رات کو۔مگر یہ امر مجبوری میں ہے۔ ورنہ جو وقت فراغت کا اور موزوں ہو وہ خود مقرر کر کے اسی کی پابندی کرنے کی کوشش کرے اور کوتاہی کے لئے نادم ہو اور اپنا معمول پورا کرے۔(ارشادات۔۱۵۱)

تبلیغ کا طریقہ

حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ تبلیغ کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں۔تبلیغ کرنی چاہئے اور ذو

رائے اور سمجھدار لوگ جب اس میں لگ جائیں گے تو ضرورت کے مطابق اپنا راستہ نکال ہی لیں گے۔اصل تبلیغ کا وقت انسان کا اس وقت ہوتا ہے جب اس پر آثار ذکر طاری ہو جائیں اور ان میں پختگی سی آجائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو بعض سے (تبلیغ کا) کام نہیں لینا ہوتا ہے تو وہ تنہائی کے ہو لیتے ہیں۔اور جن سے (تبلیغ کا) کام لینا ہوتا ہے ان کی طبیعت میں خود بخود جوش اٹھتا ہے۔اور تبلیغ ان کی ہی تبلیغ ہوتی ہے۔اس تبلیغ کا خود ان کو اور لوگوں کو بھی بے حد نفع ہوتا ہے۔(ارشادات۔۱۲۴)

(۱۱)

توبہ

توبہ کی قبولیت کا مفہوم

مولوی عبداللہ صاحب جالندھری نے دریافت کیا کہ حضرت جو گناہ ہو جاتے ہیں ان سے جب توبہ کرتے ہیں تو اگر وہ توبہ قبول ہوگئی تو پھر اس برائی کے اعادہ کی نوبت نہ آنی چاہئے؟ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں۔ بار بار توبہ سچے جی سے کرو۔ اگر سچے جی سے توبہ ہو تو قبولیت کی توقع ضرور ہے خواہ وہ گناہ پھر سرزد ہو جائے۔ مگر اس وقت توبہ کرنے والے کا ارادہ یہ ہو کہ آئندہ نہیں کرونگا۔ (ارشادات۔ ۵۸۔ ۵۹)

توبہ کی برکت

فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ اگر لوگ گناہ نہ کرتے تو خدا تعالی دوسری گناہ کرنے والی مخلوق پیدا فرماتا کہ وہ گناہ کرتے اور توبہ سے بخشے جاتے۔ اور اگر انسان گناہ نہ کرے تو وہ فرشتہ ہو جائے اور فرشتوں کی طرح وہ بھی ترقی نہ کرے۔ گناہ ہو جانا بھی انسان کی ترقی کے لئے بعض اوقات ذریعہ بن جاتا ہے۔ عاجزی کا احساس عین مقصود ہے اور اللہ کے دربار میں تو عاجزی ہی سب کچھ ہے اور تکبر محرومی کا باعث ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے گناہ کرنے والے بندوں سے جو توبہ کرتے ہیں خوش ہوتا ہے کہ انہوں نے مجھے رب سمجھا۔ (ارشادات۔ ۵۸۔ ۵۹)

توبہ کا ضعیفی میں فائدہ

حضرتؒ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ ہم کہتے ہیں کہ موت کو یاد رکھو اور اور خدا کو یاد کیا کرو۔ توبہ استغفار کرتے رہو۔ غصہ وغیرہ آئے تو اسے ترک کرو۔ انسان جب بوڑھا یا کمزور

ہوجاتا ہے تو اس کے اخلاق خصوصاً حرص وغیرہ جوان ہوجاتے ہیں۔ چونکہ کمزوری میں عموماً انسان اپنی عادتوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا، اس لئے ان کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ اس لئے موت کو یاد رکھنا، یادِ خدا اور توبہ وغیرہ ضروری ہے تاکہ حرص وغیرہ کو ابھرنے کا موقعہ نہ ملے۔ (ارشادات۔۷۹۔۸۰)

توبہ باطنی ترقی کا ذریعہ

حضرتؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ ذکر ایک روشنی ہے جو انسان کو خود اس کے اپنے گناہوں کا احساس دلاتی ہے۔ انسان ذکر کی روشنی میں اپنے عیب دیکھتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے۔ توبہ ٹوٹ بھی جاتی ہے مگر وہ نادم ہوتا ہے، اس سے ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ اصل ترقی ندامت اور عاجزی میں ہے۔ بعض دفعہ کسی گناہ کے ہوجانے یا مضبوط توبہ کے ٹوٹنے پر ندامت اور عاجزی کا احساس اور خدا کی طرف توجہ اور یہ وجدان ہونا کہ خدا کی توفیق کے بغیر کوئی نیکی نہیں ہوسکتی اور اس کی مدد کے بغیر کسی گناہ سے نہیں بچا جاسکتا، یہ انسان کے لئے بہت ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ شاید اگر ایسا معاملہ پیش نہ آتا تو اتنی ترقی نہ ہوتی۔ اسی لئے کاملین سے بھی بعض اوقات ایسی فروگذاشتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ خدا کے یہاں گڑگڑاتے ہیں اور عاجزی اور استغفار کرتے ہیں اور اس پر ان کی اتنی ترقی ہوتی ہے کہ ویسے شاید نہ ہوتی۔ اگر انسان سے غلطی نہ ہو تو انسان کا جو مقام ہے وہاں سے آگے ترقی نہیں کرسکتا اور انسان کو جو ترقی کا جوہر دیا گیا ہے وہ اس طرح بے کار ہوجائے۔ (ارشادات۔۲۶۶۔۲۶۷)

گناہ پر ندامت

حضرتؒ سے عرض کیا گیا کہ جب کوئی گناہ ہوجاتا ہے اس کے بعد بڑی ندامت، رقت اور کوفت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ یہ بہت اچھی بات ہے مگر یہ خیال رہے کہ اس ندامت اور رقت کی کیفیت کو پیدا کرنے کے لئے گناہ نہ کیا جائے۔ یہ بھی شیطان کا دھوکا ہوسکتا ہے اور اس کے اور نفس کے دھوکے بڑے ہیں۔ (ارشادات۔۲۰۹)

(۱۲)

دعا

دعاء کی برکت

حضرتؒ نے ایک بار دعاء کے سلسلے میں فرمایا کہ خالی الطبع ہوکر حق کے واضح ہو جانے کے لئے الحاح اور صداقت طلبی کے ساتھ کی گئی دعاء کے متعلق میرا مضبوط خیال یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اسے شرف قبولیت عطا فرمائیں گے۔ میرے لئے تو یہ نسخہ بہت دفعہ کارگر ہوا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے میری رہنمائی فرمائی ہے۔

حضرت والاؒ نے مزید فرمایا کہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے کمال پر نہیں، بلکہ اپنے فضل وکرم سے اس کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور مجھے تو یہی تجربہ ہوا ہے۔ اگر کسی معاملہ میں کوئی کھٹک محسوس ہوئی تو توبہ واستغفار کر کے الحاح اور صداقت طلبی سے خالی الطبع ہوکر حق کے واضح ہو جانے کی دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے تردد سے نکال دیا۔ کاش یہ بات جو بعد میں معلوم ہوئی پہلے معلوم ہو جاتی۔ (ارشادات۔۱۱۱)

(۱۳)

نیت

ہر کام میں اللہ کی رضا کی نیت

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ایک بات میں سب کو، خصوصا علماء حضرات کو جو پڑھانے کا کام کرتے ہیں کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ہر کام کرتے وقت یہ نیت کرلیں کہ میں یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر کر رہا ہوں۔ خواہ دس منٹ، دس دن یا دس سال میں، غرض جتنے عرصہ میں بھی یہ خیال پک سکے پکانے کی کوشش کریں۔

سب مباحات (جن کاموں کی شرعاً اجازت ہے) بھی اگر اس نیت سے کیے جائیں تو ان کے کرنے پر مستحب کا اثر اور ثواب ہو۔ اور مستحب (جس کے کرنے پر ثواب ہو اور چھوڑنے پر گناہ نہ ہو) تو مستحب ہے ہی۔

ایک تو اجمالی نیت ہے ہر کام کی، اور ایک ہر کام کی تفصیلی نیت ہے۔ جو لوگ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں اگر وہ نیت کو خالص اور تفصیلی طور پر تازہ کرتے رہیں تو یہی کام ان کے لئے اکسیر ہے۔ ذکر کی ضرورت نہیں۔ مگر ذکر کے بغیر غفلت بھی عموماً ضرور ہو جاتی ہے۔ اس لئے کچھ نہ کچھ ذکر لگائے رکھنا چاہیئے۔ (فیوضات۔۸۴۔۸۵)

اصلاح نیت کی اہمیت

ایک سوال کے جواب میں حضرت والاؒ نے فرمایا کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی ابتدا میں اپنی نیت تو (اللہ کی رضا کے لئے علم حاصل کرنے کی) عموماً ہوتی نہیں، بلکہ والدین اور سرپرست بھی خالی الذہن ہو کر یا فاسد نیت سے پڑھاتے ہیں۔ اب یہی صورت ہے کہ کسی اللہ کے بندے کی صحبت اٹھا کر پہلے اپنے آپ کو اسلام کا حامی بنالیں، اصلاح نیت

کرلیں اور اخلاق کو سنوارلیں۔ پھر (تکمیل کے بعد) خواہ دینی تعلیم وتعلم کا کام کریں یا معاشی، سب ٹھیک ہوگا۔ ورنہ اگر بڑے بڑے دینی مدرسہ کے صدر مدرس بھی بن جائیں اورا ن سے ہزاروں لوگ دین بھی پڑھیں، تو بھی ان کے لئے وہ دنیا ہی رہیگا۔

کسی نے عرض کیا کہ حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں (اعمال کا) اگر دسواں حصہ بھی کوئی کرے تو غنیمت ہوگا۔ حضرتؒ نے فرمایا دسواں تو کیا، لاکھواں حصہ بھی اگر نیک اعمال کا آپ کو حاصل ہے تو غنیمت ہے۔ مگر اپنے اندر کا خود مطالعہ کرلو کہ جو کام تم کرتے ہو وہ خالص نیت سے ہوا ہے۔ ہمارے حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) نے تو فرمایا کہ زندگی میں ایک عمل بھی خالص نیت سے ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ نجات کے لئے کافی ہو جائے۔ اس کی وجہ اور تفصیل تو بہت ہے۔ اور اگر تم طب پڑھنے کے لئے خدمتِ والدین اور حقوق زوجین کے خیال سے آئے ہو اور یہ خیال خوفِ خدا یا رضائے الٰہی کے پیش نظر رکھتے ہو تو تمہارے لئے جو کام جائز ہو سب درست ہے۔ لیکن خود غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچو کہ اگر یہ نیت حاصل نہیں تو پھر سب کام چھوڑ کر اس قسم کی نیت کرنا سیکھو۔ اس کے بغیر جو بھی کرو گے وہ عاقبت میں تمہارے کیا کام آئے گا؟ ایسا کرنا کچھ بھی ہو، اگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے نہیں تو سب بے کار ہے۔ (ارشادات۔ ۲۰۶۔ ۲۰۸)

اصلاح نیت کا طریقہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ اعمال کے متعلق آیا ہے کہ ''إنما الأعمال بالنیات ''یعنی اعمال نیتوں پر موقوف ہیں۔ تو جب کوئی عمل انسان کرتا ہے تو جیسی نیت کرتا ہے ویسا ہی وہ عمل شمار ہوتا ہے۔ اگر نیک نیت سے مباح کام کئے جائیں تو وہ بھی نیکیاں ہیں، اور بغیر (نیک) نیت کے نماز وغیرہ بھی کچھ نہیں۔ لوگ اعمال کو خبر نہیں کیا سمجھتے ہیں۔ وہ تو نیت کا نام ہے جو کہ قلب کا فعل ہے۔

اور نیت بغیر محبت کے نہیں سنورتی۔ اور محبت بغیر صحبت اور ذکر کے پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے اہل محبت کی صحبت اختیار کرنی ہے اور ذکر الٰہی کرنا ہے، تاکہ اللہ کی محبت پیدا ہو جائے۔ پھر اللہ کی رضا جوئی کے لئے اس کے پسندیدہ اعمال کئے جائیں، جس کا نتیجہ جنت، رؤیت

باری تعالیٰ (جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار) اور آخرت میں دائمی راحت کی زندگی ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے، لیکن طالب اگر کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرے اور ذکر الٰہی کرتا رہے تو کبھی نہ کبھی ہو ہی جائے گا۔ (فیوضات۔۹۵۔۹۶)

اخلاص کی اہمیت

حضرتؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اعمال کو نہیں، بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔ اگر دل اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو نماز جیسے خالص عبادت کے کام بھی بے حقیقت ہوتے ہیں۔ اور خلوص نیت، للّٰہیت اور خدا کی طرف توجہ ہو تو ایسے کام بھی جو عام یا محض مباح ہوں بلکہ جن میں خواہ اجتہادی غلطی بھی ہو، وہ بھی بہت مفید بن جاتے ہیں۔ (ارشادات۔۹۹)

نیت اعلیٰ ترین ذکر

ایک نابینا حافظ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ پڑھانے کا کام کرتے ہیں۔ اگر ہر بچے کو سبق پڑھاتے وقت (اللہ تعالیٰ کی رضا کی) نیت کو تازہ کر لیا جائے اور غفلت کو دور کر کے پڑھایا جائے تو یہ بہت نفع بخش عبادت ہے۔ ہمارے یہاں ذکر زیادہ نہیں کرایا جاتا بلکہ ہر کام کو اللہ کی رضا کی نیت کے ساتھ، اس طرح کہ کسی کام میں اس نیت سے غفلت نہ ہو انجام دینے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اور ذکر بھی جو کرایا جاتا ہے تو اس کی غرض غفلت کو دور کرنا ہے تا کہ تمام کام اللہ کی رضا کی نیت کے ساتھ کئے جائیں، بشرطیکہ وہ کام حرام یا مکروہ نہ ہو۔ مباح سے لے کر اوپر تک کے جو کام ہیں سب کو اسی نیت سے کرنا بہت اعلیٰ ذکر ہے۔ اور یہی تصوف ہے۔ خواہ یہ بات دس گھنٹہ، دس دن، دس ماہ یا دس سال میں حاصل ہو۔ اور اسی کو اخلاص کہتے ہیں۔ غرض کہ جتنے عرصے میں بھی ممکن ہو طالب کو اپنے اندر ہر کام اللہ کی رضا کی نیت کے ساتھ کرنے کا ملکہ پیدا کرنا چاہئے۔ اس پر اگر خدا کو منظور ہو تو حسب استعداد نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

اسی لئے آیا ہے کہ درجہ احسان حاصل کرو۔ (فیوضات۔۹۶)

(۱۴)

حضرت رائے پوریؒ کا طریقۂ تربیت

اخلاص کی کمی اور اخلاق کا فساد مسلمانوں کے مسائل کا اصل سبب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی فکروعمل کا نچوڑ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''مسلمانوں کے حالات کے اس وسیع مطالعہ اور اپنی زندگی کے اس طویل تجربہ نے آپ کو اس نتیجہ پر پہنچادیا اور آپ کا یہ یقین اور عقیدہ بن گیا کہ مسلمانوں کی پوری زندگی اور اس کے مختلف شعبوں کے فساد کا اصل سبب اخلاص کی کمی اور اخلاق کا بگاڑ ہے، اور وقت کا سب سے بڑا ضروری کام اخلاص واخلاق کا پیدا کرنا ہے، اور اس کا سب سے مؤثر ذریعہ محبت ہے، اور اس کا ذریعہ ذکر وصحبت ہے۔''

''اس اخلاص ومحبت سے ہر دینی کام اور ہر اصلاحی کوشش میں جان پڑتی ہے اور وہ زندہ اور طاقت ور بنتا ہے۔ اسی سے عبادات میں روحانیت، علم میں نورانیت، تعلیم وتدریس میں برکت وقوت، وعظ وارشاد میں تاثیر، تبلیغ ودعوت میں قبولیت وقوت، تصنیف وتالیف میں اثر ومقبولیت، سیاسی وتنظیمی کوششوں میں کامیابی ونتیجہ خیزی، تعلقات میں استواری، جماعتوں میں اتحاد اور افراد میں ایثار ومحبت پیدا ہوتی ہے۔ غرض پوری زندگی کی چول اپنی جگہ پر آجاتی ہے اور ہر طرح کا ضعف وانتشار ختم ہوجاتا ہے،'' أَلا إنّ فِي الجَسَدِ مُضْغَة، إذا صَلُحَتْ صَلُحَ الجَسَدُ كُلُّه وإذا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّه، ألا وهي القَلْب ''(الحدیث)

(سن لو کہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو تو پورا جسم درست رہے گا اور اگر وہ خراب ہوجائے تو پورا کا پورا جسم خراب ہوجائے گا۔ سن لو، وہ دل ہے)

وہ آگے لکھتے ہیں:

''اسی طرح اخلاق کی درستی کے بغیر کوئی انفرادی زندگی متوازن اور کامیاب اور کوئی اجتماعی کوشش بار آور اور نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی۔ آپ کے نزدیک ذکر و شغل، صحبت مشائخ، اور مجاہدات و ریاضات کا بڑا مقصد اور ثمرہ، اخلاق کی اصلاح، صفات رذیلہ کا ازالہ اور صحیح معنی میں تزکیۂ نفس ہے۔ محض ذکر و اذکار کافی نہیں، اخلاق کی اصلاح ضروری ہے۔'' (سوانح۔۹۰-۹۱)

ناموافق حالات کے لئے مسلمانوں کو مشورہ

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو بجائے دوسروں کی غلطیوں اور زیادتیوں کا ماتم اور شکوہ کرنے کے اپنی غلطیوں کو ٹٹولنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ موجودہ ناخوشگوار حالات ان کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ اور خمیازہ ہیں۔ وہ غلطی یہی ہے کہ ہم نے اسلام کو لائحہ زندگی بنانے اور اسلامی اصولوں کو جدید حالات میں کام میں لانے میں کوتاہی کی ہے۔ اس لئے اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ یہ حالات بدل جائیں تو دعاء اور عمل سے خدا کی طرف رجوع کریں، اخلاق درست کریں۔ اگر ایسا کرلیا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ انفرادی تقویٰ اختیار کیا تو افراد کو حسب مقدارِ تقویٰ فائدہ ضرور پہونچے گا، اور اگر اجتماع نے (مسلمانوں نے مجموعی طور پر) نے ایسا کرلیا تو اجتماعی مشکلات بالکل رفع ہوجائیں گی۔ حقیقتاً یہ جو خلافِ طبع حالات ہم کو روز بہ روز پیش آرہے ہیں اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت ہیں۔ اگر ہم نیک ہوجائیں تو حالات بھی موافق ہوجائیں گے۔

حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ دوسروں کا گلہ ایک فریب ہے جو سچی توبہ اور صحیح جائزہ سے محروم رکھتا ہے۔ اس لئے اس کو دل سے نکال دیجئے اور نیک بن جایئے۔ پھر اللہ کو جس راستہ سے منظور ہوگا، وہ حالات کو بدل دے گا۔ خواہ غیر قوم کی اکثریت کو اسلام کی توفیق دے دے یا کوئی اور راستہ پیدا کردے۔ اس کا پیدا ہونا اُن کے عملوں کے مناسب ہوگا۔ آپ کے عملوں سے تو اتنا ہوگا کہ حالات آپ کے موافق ہوجائیں اور اس کی صورت وہ ہوگی جو گرد و پیش کے حالات کے مناسب ہوگی۔ نیز یہ بھی کہ اپنے اندر سے انانیت (تکبر) کو مٹادیں۔ دیکھو بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے کفار کے ہاتھوں برباد کرایا کہ ان میں تکبر تھا۔ اور ان کو برباد کرنے والے غیر مسلموں کو اپنے بندے قرار دیا اور اُس دور کے ان مسلمانوں (بنی اسرائیل) کو

مغضوب قرار دیا۔ (ارشادات ۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸)

تربیت و تعلیم میں اجتہاد

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت رائے پوریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرتؒ طالبین و سالکین کی تربیت میں ان کی طبیعت، ذوق، مشغلہ، ضرورت، صحت وتحمل اور استعداد و ترقی کی صلاحیت کا لحاظ کر کے مناسب تغیر و اصلاح فرماتے اور ہر ایک کے مطابق اس کو ذکر کی تلقین کرتے۔ ایک مسترشد لکھتے ہیں:

''حضرتؒ کا طریقہ تربیت بھی بہت جداگانہ اور نرالا تھا۔ بعض لوگوں کو تو صرف درود شریف اور تیسرا کلمہ ہی بتایا اور ان کو ذکر (ذکر جہری) کی اجازت مانگنے پر بھی ذکر کی اجازت نہیں دی، بلکہ اسی کو بڑھانے کو فرمایا۔ اور بعض حضرات کو ذکر اور مراقبہ اور بعض کو کئی کئی چلے بھی کرائے۔ اور بعض کو صرف تلاوت قرآن پاک ہی کے لئے فرمایا کہ یہی تمہارا وظیفہ ہے۔ اور بعض کو فرمایا کہ نوافل ہی پڑھنا تمہارا وظیفہ ہے۔ حضرتؒ کے یہاں یہ نہیں تھا کہ ہر ذاکر کو ایک ہی مراقبہ یا ایک ہی شغل بتایا جائے بلکہ کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ مراقبہ بتلایا۔''

ایک دوسرے صاحب لکھتے ہیں:۔

''حضرتؒ مختلف طبائع (لوگوں کی طبیعت اور مزاج کے اختلاف) کی وجہ سے لوگوں کو مختلف اوراد و اشغال تعلیم فرماتے تھے۔ اس میں ہر ایک سائل کے حالات و کیفیات کو مدنظر رکھتے تھے جیسے کہ مختلف سائلین کے حالات و ضروریات کے مطابق حضور ﷺ نے مختلف نصائح و وصایا فرمائے ہیں۔ اگر کوئی ملازمت میں تھا اور اس نے ذکر شروع کیا تو حضرتؒ نے اس کو ضوابط کا پابند نہیں کیا بلکہ اس کو وہیں رہنے دیا اور اس کی اس طرح اصلاح فرمائی ہے کہ وہ اپنی منزل طے کر گیا ہے۔ حتٰی کہ بعض اونچے عہدہ دار اور کثیر الاشغال لوگ بھی فائز المرام (مقصد میں پوری طرح کامیاب) ہوگئے۔'' (سوانح۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰)

صحبت کا باطنی فائدہ

حضرتؒ کے یہاں تمام امراض کا علاج اکٹھا ہوتا تھا۔ اور دوا، جو بالخاصہ نافع تھی وہ ذکر اللہ کی کثرت اور صحبت شیخ تھی۔ فرماتے تھے کہ صحبت شیخ تو اکیلے بھی نافع ہوسکتی ہے، لیکن

ذکر کا بغیر صحبت شیخ نتائج پیدا کرنا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ قلب کی چیز قلب، اور باطن کی چیز باطن کھینچتا ہے۔ اور یہ بات بغیر صحبت کے ناممکن ہے۔ (سوانح۔۳۲۸)

ایمان اور عمل صالح کے اہتمام کی تلقین

ایک مجلس میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ جس چیز کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ زندگی کو غنیمت شمار کرو، ذکر الٰہی میں لگو اور اخلاق سنوار لو کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مشاہدات صادقہ کی بناء پر فرمایا ہے کہ آخرت میں ایمان اور عمل کام آئیں گے۔ ہر نبی کو جنت، دوزخ اور آخرت کا مشاہدہ کرایا گیا ہے اور اولیاء کرام کو بھی اکثر ایسا ہوا ہے۔ ان کا ایمان حقیقی تھا۔ وہاں ظن وتخمین اور عقلی دلائل اور سنی سنائی باتوں پر بنیاد نہ تھی، بلکہ وہ مشاہدہ پر گواہ تھے اور گواہ سنی سنائی یا قیاسی بات نہیں بلکہ دیکھی کہا کرتا ہے۔

پس جب آخرت میں اپنی ہی کمائی کام آئے گی تو جو ہو سکے کما لو۔ دنیا کا کیا ہے؟ میری عمر کے یا مجھ سے بڑے یہاں کے نواب صاحب تھے ان کی رنگ رلیاں اور ہماری غربت اب ایک ہو گئی۔ مگر جو چین ذکر الٰہی میں ہوتا ہے وہ دنیا کے بڑے سے بڑے لوگوں کو کہاں نصیب۔ وہ تو دنیا میں بھی عذاب میں رہتے ہیں۔ اور بے عمل ہوں تو آخرت میں خدا جانے کیا ہوگا۔ اللہ والے دنیا میں بھی اطمینان سے رہتے ہیں اور آخرت میں تو ان کے مزے ہی ہیں۔

(ارشادات۔۲۳۲۔۲۳۳)

تعلق مع اللہ کے حصول پر زور

حضرت کے یہاں صرف تعلق مع اللہ کے دوام پر زور دیا جاتا تھا، کیونکہ طالب کو اللہ سے جب تعلق نصیب ہو جاتا ہے تو اس کے اندر اتباع شریعت اور اخلاق عالیہ خود بہ خود آجاتے ہیں۔ اسی کے حصول کے لئے ذکر و شغل اور مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ (سوانح۔۳۲۸۔۳۲۹)

ترک معاصی کا طریقہ

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ترک معاصی کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضوری (ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد اور دھیان رہنا) ایک ایسی کیفیت ہے

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سے معاصی سرزد نہیں ہوتے اور وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مجذوب کا قصہ سنایا کہ اس کو کوئی کچھ کہتا تو وہ کہتا کہ چپ، اللہ میاں سن رہے ہیں اور ایسی ہیئت میں چپکے سے کہتا جیسے کسی بڑے ہی باعظمت اور باہیبت ہستی کے سامنے لایعنی بات کرنے سے کسی کو منع کیا جاتا ہے۔ مگر ایسا مشاہدہ اور حضوری اور وہ بھی مسلسل اور دائمی ہر شخص کی طبیعت حاصل نہیں کرسکتی۔

باقی معاصی کے ترک میں دل کی شکستگی کو بھی بڑا دخل ہے۔ اگر ایسے شخص سے گناہ ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کرلیتا ہے اور اسی توبہ سے اس کو ترقی ہوتی ہے۔ اور گناہ بھی بعض اوقات انسان کو شکستہ دل اور عاجز بنا دیتا ہے جس سے بے حد ترقی ہوتی ہے اس لئے کہ انسان اس پر نادم ہوتا ہے اور خدا کے یہاں جو چیز سب سے زیادہ مقبول ہے وہ عجز ہے۔ عجز، درد دل اور شکستگی بڑی چیز ہے۔ یہ درد، یہ شکستہ دلی اسی سے تو عجز پیدا ہوتا ہے اور انسان کو خدائے تعالیٰ نے اپنی بندگی یعنی عجز کے اظہار کے لئے ہی تو پیدا کیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص جدوجہد (عبادات واعمال) بہت کرتا ہے مگر یہ عجز اس میں نہ ہو تو تمام محنت کسی کام کی نہیں۔ اور اگر یہ ہو تو پھر زیادہ محنت کی بھی ضرورت نہیں۔ (ارشادات۔۱۲۳۔۱۲۴)

حضوری کی کیفیت کے حصول کا طریقہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ اس (حضوری کی کیفیت کے حصول) کے لئے صوفیاء کرام نے مراقبۂ معیت ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی ہر وقت قلب کی نگرانی رکھنا، کسی وقت غافل نہ ہونا اور یوں سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہیں۔ پھر اس سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا اور بندہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اگرچہ معصوم نہیں مگر محفوظ ضرور ہو جاتا ہے۔ اس پر حیا کا غلبہ ہو جاتا ہے جسے ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے: ''الحیاء من الایمان'' (حیا ایمان کی بات ہے) ۔اور جب ہر وقت یہ دھیان رہے کہ اللہ تعالیٰ ساتھ ہیں تو غفلت نہیں ہوتی (جس کی وجہ سے بندہ گناہوں سے محفوظ رہتا ہے)۔ (فیوضات۔۹۱)

مخصوص اوراد واذکار

عمومی طور پر حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ بیعت ہونے والوں کو تین تسبیحات (سو مرتبہ

تیسرا کلمہ، سومرتبہ استغفار اور سومرتبہ درود شریف) پڑھنے کو بتاتے۔ پھر جس کے لئے ذکر جہری مناسب سمجھتے اسے گیارہ سو (۱۱۰۰) مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' جہراور ضرب کے ساتھ اور چار ہزار (۴۰۰۰) بار اسم ذات (اللہ، اللہ) کا ذکر کرنے کی تلقین فرماتے جس میں اہتمام اور مداومت پر زور دیتے۔ حسب ضرورت حضرتؒ مراقبہ اور دوسرے اشغال بھی تلقین فرماتے تھے۔ (فیوضات۔ ۴۷۵۔۴۷۶)

رائے پور خانقاہ میں بیعت کا طریقہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ ان کے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ پہلے قادریہ نقشبندیہ میں بیعت لیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت بھاول نگریؒ کو ان ہی سلسلوں میں بیعت فرمایا۔ مگر پھر چاروں سلسلوں (قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ) میں بیعت فرمانے لگے۔ چنانچہ مجھے چاروں سلسلوں میں بیعت فرمایا۔ (ارشادات۔ ۶۸)

بیعت لینے میں حضرت رائے پوریؒ کی نیت

حضرتؒ علماء وخواص کو بیعت کرنے میں جتنے محتاط اور متأمل تھے، عوام کو اللہ کا نام سکھانے میں اور توبہ کرا دینے میں نہیں تھے۔ بعض مرتبہ فرمایا کہ یہ لوگ نہایت سادہ طبیعت، مخلص اور سچے ہوتے ہیں۔ ان کی اور کوئی غرض نہیں ہوتی، صرف توبہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں بھی اس خیال سے پس وپیش نہیں کرتا کہ شاید ان کے خلوص کی برکت سے میری بھی نجات ہو جائے اور ان کے ساتھ میں بھی توبہ کرلوں۔ (سوانح۔ ۱۰۱۔۱۰۲)

بیعت کے وقت توبہ کی تلقین کے الفاظ

حضرتؒ بالعموم بیعت وتوبہ کراتے ہوئے حسب ذیل الفاظ میں تلقین فرماتے تھے:

''کہو بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، لا إلٰہ إلّا اللّٰہ، محمد رسول اللّٰہ ۔یا اللہ ہم توبہ کرتے ہیں کفر سے، شرک سے، بدعت سے، زنا سے، چوری سے، غیبت سے، جھوٹ بولنے سے، نماز چھوڑنے سے اور سب گناہوں سے جو ہم نے اپنی ساری عمر میں کئے، چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ تیرے سارے حکم مانیں گے،

تیرے رسول پاک کی تابعداری کریں گے۔ یا اللہ تو ہماری توبہ قبول کرلے، ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمیں توفیق دے اپنی رضامندی کی اور اپنے رسول کی تابعداری کی۔"

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بیعت کے مندرجہ بالا الفاظ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ان الفاظ ومعاہدہ کا مآخذ چھٹے کلمہ (ردشرک) کے الفاظ ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ نے اپنے ایک خادم کو بیعت لینے کی اجازت دی۔ انھوں نے کہا مجھے بیعت کرنے کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ فرمایا، تم نے مجھے کبھی نہیں دیکھا؟ یہی تو ہے کہ چھٹے کلمہ کے الفاظ کے مطابق توبہ کرادی جائے۔ وہ الفاظ بھی آپ نے پڑھ کر سنائے، اللّٰهم إنِّي اعوُ ذُ بِكَ مِنْ أنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيئاً و أنـا أعـلَـمُ بـه واستغفِرُكَ لِمَا لاأعلَمُ به تُبْتُ عَنْهُ و تَبَرّأتُ من الكُفْرِ والشِّرْكِ والْـكِـذْبِ والْـغِيْبَةِ والنَّمِيْمَةِ والْبُهْتَانِ والْمَعَاصِي كُلِّها ،أسْلَمْتُ وامَنْتُ و أقُولُ لا إله إلا اللّٰه محمد رسولُ اللّٰه۔ (اے اللہ میں آپ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہراؤں جانتے بوجھتے ہوئے، اور استغفار کرتا ہوں اس چیز کے لئے جو مجھ سے انجانے میں ہوگئی ہو، میں توبہ کرتا ہوں اُس چیز سے۔ اور میں براءت ظاہر کرتا ہوں کفر سے، شرک سے، جھوٹ اور غیبت سے، چغلی سے، بہتان سے اور تمام گناہوں سے۔ اے اللہ میں اپنے کو آپ کے حوالہ کرتا ہوں اور آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں)۔ (سوانح۔۱۰۲)

توبہ کی تلقین کے بعد خاص طور سے فرماتے تھے کہ نماز باجماعت کی پابندی کرنا، تمام خلاف شریعت کاموں سے بچتے رہنا، موت کو یاد رکھنا۔ مرنا ہے یہاں سے چلا جانا ہے، وہاں اعمال کے سوا کچھ کام نہیں آئے گا۔ پڑھنے لکھنے (ذکر) کے لئے تیسرے کلمہ، استغفار اور درود شریف کی ہدایت فرماتے تھے۔ (سوانح۔۱۰۲۔۱۰۳)

انفرادی اصلاح کی اہمیت

حضرتؒ نے بار بار یہ بات فرمائی کہ انسان کو اخلاص و ہمت کے ساتھ اپنی اصلاح اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونا چاہئے اور پختگی اور حصول مقصد کے بغیر اپنے لئے اپنے ذوق و سمجھ کے مطابق کوئی اصلاحی کام کا میدان منتخب کر کے اس میں مشغولیت نہیں اختیار کرنا چاہئے۔

ایک باراسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:

میرے خیال میں اصل مقصود تو ہر شخص کا اپنے نفس کی اصلاح ہے۔فرائض وواجبات وعبادات ادا کرتا رہے اور اللہ اللہ کرتا رہے۔اگر اللہ تعالی کو اس سے کوئی کام لینا مقصود ہوتا ہے تو خود ہی اس کی طبیعت کو اس طرف متوجہ کر دیتے ہیں اور الہام (اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں ڈالی جانے والی بات) کے ذریعہ یا بحکم شیخ (شیخ تاکیداً کوئی ذمہ داری اس کے سپرد کرتا ہے اس کے مطابق) اس کے کوئی کام سپرد کر دیا جاتا ہے۔تو اس وقت اس کے لئے بہتر یہی ہوتا ہے کہ جو کام اس کے ذمہ لگایا گیا ہے اس کو انجام دے۔اور جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک انفرادی طور پر اللہ اللہ کرتے رہنا اور عبادات ادا کرتے رہنا ہی اس کے لئے بہتر ہے اور اسی سے انشاء اللہ اس کی نجات ہو جائے گی۔

فرمایا: دیکھو سرور کائنات ﷺ حالانکہ ازکیٰ نفس (نفس کی پاکیزگی میں سب سے بلند) ہیں مگر آپ کو بھی جب تک مامور من اللہ نہیں کیا گیا (یعنی جب تک اللہ کی طرف سے آپ پر رسالت کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی)، آپ غار حرا میں تشریف لے جا کر انفرادی طور پر اللہ کی عبادت ہی کرتے رہتے تھے۔حالانکہ قوم کی بے اعتدالیاں، بت پرستی، ظلم اور تعدیاں بہت دیکھتے رہتے تھے، مگر کسی سے تعرض نہیں کیا اور غاروں میں اکیلے جا کر خدا کی یاد میں لگے رہتے تھے۔لیکن آخر جب فرشتہ نازل ہوا اور اس نے پیغام پہونچایا، بلِّغْ ما أُنزِلَ إليكَ (اے رسول، اس چیز کو لوگوں تک پہونچا دیں جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے) تو آپ غار حرا کو چھوڑ کر کمر باندھ کر کھڑے ہو گئے اور اس فرض کو ادا کیا۔

مزید فرمایا: دیگر حضرات کا جو خیال بھی ہو میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔میرا تو یہی خیال ہے کہ پہلے انفرادی طور پر اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔اللہ تعالی کو اگر اس سے کوئی کام لینا منظور ہوگا تو خود اس کو اس کی طرف متوجہ کر دیں گے، پھر اس کیلئے وہی بہتر ہے۔اور تبلیغ میں بھی اپنی اصلاح مقصود ہونی چاہئے۔(سوانح۔۹۸۔۹۹)

زہد وتقوی کی تلقین

حضرتؒ نے فرمایا کہ اب اگر دین کو جتنا کچھ بچا ہے باقی رکھنا ہے تو علماء کو تنگی سے

رہنا (اور کم سے کم میں اپنی ضرورتیں پوری کرنا) اور بوریہ نشینی اختیار کرنی چاہئے۔ اور طلباء سے بھی کہہ دینا چاہئے کہ اگر دین سیکھنا ہے تو ایسا ہی رویہ اختیار کریں۔ ورنہ قوم کا تو یہ حال ہے کہ وہ اور ہی طرف کو چلی جارہی ہے۔

مزید فرمایا کہ میں تو یہی کہوں گا کہ مسجدوں میں جب تک گنجائش ہے تنگی ترشی سے گزر کرو اور جو کوئی آتا ہے اس کو دین سکھاؤ اور جہاں تک ہو سکے اس کی دینی تربیت کرو اور اپنا دین سلامت لے کر اس دنیا سے چلتے بنو۔ (ارشادات۔۲۷۔۳۷)

ایک بار فرمایا کہ جس شخص سے مخلوق کو فائدہ پہونچنے کی امید ہو، اس کو اپنے جائز دنیاوی نفع ونقصان سے بھی اونچا ہو جانا چاہئے۔ تب ہی اس سے دوسروں کو نفع پہنچ سکتا ہے۔ (ارشادات۔۳۳)

توکل کے اہتمام کی ترغیب

ایک مرتبہ ایک سالک کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ذاکر شاغل آدمی کو کسی سے یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میرا گزارہ نہیں چلتا۔ نہ شکایت کرے، نہ کسی چیز کا مطالبہ کرے۔ یہ توکل کے خلاف ہے۔ بلکہ اگر ایسی جگہ میسر آجائے جہاں وہ مرنجان مرنج ٹھہر سکے تو اسے غنیمت جانے۔ بھوکا پیاسا رہ لے اور جو کچھ مانگنا ہو اپنے مولا سے دعائیں، التجائیں گڑگڑا کر کرتا رہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اسی مسلک پر ڈالنے کی کوشش کرے۔ خدا کو منظور ہو تو فضل بھی ضرور ہوا کرتا ہے۔ اور یہ بھی کیا کم فضل ہے کہ اللہ نے اپنی طرف متوجہ رہنے کی توفیق دی۔ اپنے شیخ سے مشورہ کے سلسلہ میں یا ویسے اپنی مالی حالت بتادینے کی گنجائش ہے، مگر کسی تیسرے سے اپنے مولا کے سوا نہ بتائے۔ دینی کام کو اپنا کام سمجھے اور اس میں تنخواہ وغیرہ کی سودابازی کے طرز کا معاملہ نہ کرے۔ (ارشادات۔۱۴۷)

اس سوال کے جواب میں کہ توکل کے آثار کیسے پیدا ہوتے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ اپنا ذکر کئے جاؤ۔ جو کچھ ہونا ہوگا ہو جائے گا۔ باقی توکل موقوف ہے یقین پر۔ اگر آپ میری دعوت کریں تو میں خود کھانے کا انتظام نہیں کرونگا کیونکہ باوجود سینکڑوں احتمالات کے ایک درجہ یقین کا ہوتا ہے کہ آپ کھانا کھلانے کو کہہ چکے ہیں۔ تو جس کو باری تعالیٰ کے رزاق مطلق

ہونے پر یقین ہو اور وعدۂ خداوندی جو رزق کے متعلق قرآن میں آتا ہے اس پر حقیقی یقین ہو، تو جتنا یقین کا مرتبہ ہوگا اتنا ہی توکل ہوگا۔ (ارشادات۔ ۶۸)

ذکر کی مدت

پوچھا گیا کہ ذکر کی آخر کوئی انتہا بھی ہے؟ فرمایا کہ یہاں تک ذکر کرے کہ روح ذاکر ہوجائے۔ پوچھا گیا کہ روح کے ذاکر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کہ دھیان ہر وقت اللہ کی طرف لگا رہے، خواہ دنیا کے کام کر رہا ہو، تجارت کرتا ہو، کھیتی کرتا ہو، مگر خیال ہر وقت اللہ ہی کی طرف رہے۔ جیسا کہ کسی کو سر یا پیٹ میں درد ہو تو اگرچہ باتیں بھی کرتا رہتا ہے اور کام بھی کرتا رہتا ہے، لیکن خیال درد کی طرف رہتا ہے۔ (سوانح۔ ۹۹)

استقامت کی حقیقت

حضرتؒ اپنے متوسلین کو ذکر پر استقامت کی بہت تاکید فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ استقامت کے کیا معنیٰ ہیں؟ فرمایا کہ اس قدر پختگی حاصل ہوجائے کہ جب تک ذکر پورا نہ کرلے سکون نہ ہو، بے چینی و بے قراری سی رہے۔ اور جب ذکر پورا کرلے تو سکون و اطمینان حاصل ہوجائے اور طبیعت میں فرحت و سرور محسوس ہو۔ جب اس درجہ پر پہونچ جائے تو اس کا تمام وجود ہی تبلیغ بن جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے مجاہدہ ہوتا ہے۔ یہاں پہونچ کر اللہ تعالیٰ کو جو کام اس سے لینا ہوتا ہے اسکی طرف اسکو متوجہ کردیتے ہیں۔ تبلیغ یا تدریس یا تصنیف، جس کام کی طرف اسکی طبیعت کا رجحان ہوتا ہے وہی خدمت اس سے لیتے ہیں۔ بعض اوقات الہام کے ذریعہ سے حکم دیا جاتا ہے، بعض اوقات شیخ حکم دیتا ہے اور کبھی خود بخود طبیعت متوجہ ہوجاتی ہے۔ (سوانح۔ ۹۹۔ ۱۰۰)

ثابت قدمی کی تلقین

حضرتؒ نے فرمایا کہ کسی شخص کو کوئی کام کرنا ہو تو پہلے جو سوچنا ہو سوچ لے اور پھر جب طے کرلے تو مر مٹنے کا عزم کرکے اس پر جم جائے۔ یہی طریقہ ہر کام کا ہے۔ اس کے بغیر کسی کام میں ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔ پہلے خوب غور کرے پھر جب کام کو پکڑ لے تو اس پر مر مٹے۔ نہ

تو سوال کسی سے زبان سے کرے اور نہ دل سے۔ اپنے مالک کی طرف متوجہ رہے اور کام پر ثابت قدم رہے۔ (ارشادات۔۱۹۹۔۲۰۰)

اپنے آپ کو حقیر سمجھنے کی تلقین

حضرتؒ اس بات کو اصلاح حال کے لئے بہت اہم سمجھتے تھے کہ طالب ہمیشہ اپنے آپ کو حقیر اور کمتر سمجھے اور اپنی اصلاح کی فکر کرتا رہے۔

ایک بلند استعداد خادم اپنے آثار و کیفیات کی برابر اطلاع دیتے رہتے تھے۔ ان کو ایسے حالات پیش آتے تھے جو متقدمین سالکین کو پیش آتے تھے۔ حضرتؒ ان کے جواب میں یہی مضمون لکھواتے تھے۔ ایک خط کے جواب میں جس میں بڑے رفیع حالات لکھے ہوئے تھے ارشاد ہوتا ہے: ''باقی اپنے آپ کو جب تک کسی قابل نہ سمجھتے رہیں، انشاءاللہ ترقی ہوتی رہے گی''۔ ایک ایسے ہی دوسرے خط کے جواب میں فرماتے ہیں: ''جناب والا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ جب تک اپنے آپ کو لاشئ اور سب سے کم اور حقیر اور اپنی تمام مساعی (کوششوں) کو عدم کمال سمجھتے رہیں گے، تب ہی تک معاملہ ٹھیک رہے گا اور انشاءاللہ ترقی ہوتی رہے گی۔ اور جب انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ بس اب بہت ہو چکا تو سمجھئے کہ گیا، ترقی سے رک گیا اور تکبر میں پھنس گیا۔'' ایک اور مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ بات ضرور یاد رکھئے کہ جب تک انسان اپنے کو بالکل نااہل اور نکما سمجھتا رہتا ہے تب تک ہی اس کی طرف رحمت الٰہیہ متوجہ رہتی ہے، ورنہ پھر وہ ترقی کرنے سے رک جاتا ہے۔'' (سوانح۔۳۳۶)

خود بینی اور خود پسندی کا انکار

فرمایا کہ اپنے اندر جو بھی خوبی نظر آتی ہے، سب اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ سب اسی کا کمال ہے۔ اپنے اندر تو سب نقص ہی نقص اور عجز ہی عجز ہے۔ انسان کو اپنی حقیقت جاننی اور پیش نظر رکھنی چاہیئے۔ جو کوئی اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہو، وہ ولی کہاں ہوا؟ کیونکہ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تکبر اور شیخی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اللہ کے نیک بندے اپنے

آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ جو کچھ بن آئے، خدا کی قدرت اور توفیق سے ہی ہوتا ہے۔اس کے خلاف سمجھنا، ان حضرات کے یہاں یہی تو شرک ہے۔اور الحمد میں الف لام استغراق کا ہے کہ جو بھی خوبی کہیں بھی ہے، سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔(ارشادات۔۷۰۔۱۷)

بڑوں کی بات ماننا ان کے ادب کرنے سے افضل

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میرے حضرت (شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ) نے مجھ سے فرمایا کہ کھانا کھالو(یعنی میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوجاؤ)۔ میں نے اپنی عادت کے مطابق عرض کردیا کہ حضرت مجھے بھوک نہیں، یا یہ کہ میں نے کھانا کھالیا۔اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا(یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں آتی ہے)۔حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں انکار نہ کرتا اور کھانا اگر کھا بھی چکا ہوتا تو بھی حضرت کے فرمانے پر اور کھالیتا۔ ایک دفعہ حضرت سہارنپوری (مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ) تشریف لائے، میں کھانا کھاچکا تھا۔جب حضرت سہارنپوریؒ کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کھانا تناول فرمانے لگے تو مجھے بھی ساتھ کھانے کو فرمایا، تو میں بھی شریک ہوگیا۔ حضرتؒ نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے ساتھ کھانا کھانے میں بھی فائدہ ہے۔(ارشادات۔۴۱)

ذکر کے انوار و آثار کی کمی محسوس کرنے والے سالک کی ہمت افزائی

جو لوگ تعلیم و تعلم، تبلیغ و دعوت، یا تصنیف و تالیف میں مشغول ہوتے اور ہمہ تن ذکر و شغل میں مشغول نہ ہونے کی وجہ سے اپنے اندر ذکر کے انوار و آثار اور باطنی ترقیات محسوس نہ کرتے اور حضرتؒ سے اس کا شکوہ کرتے تو حضرتؒ فرماتے کہ تمہارا کام سویا ہوا شیر ہے، جب (آخرت میں) وہ بیدار ہوگا (یعنی اس کا اجر ملنے لگے گا اور اس کا مقام معلوم ہوگا)، تو تم کو اس کی قدر آئے گی۔البتہ اہل استعداد اور جن کے پاس وقت ہو، ان کے لئے حضرتؒ بہتر سمجھتے تھے کہ وہ کچھ عرصہ ہمہ تن ذکر میں مشغول رہ کر اپنے اندر استقامت اور نورانیت پیدا کرلیں۔(سوانح۔۳۳۴)

انوار ومشاہدات کی نفی

حضرتؒ کے یہاں انوار ومشاہدات ومکشوفات کی بڑی نفی تھی، ان کو بجائے سالک کی علوئے استعداد اور کمال پر محمول کرنے کے اس کے ضعف پر محمول فرماتے تھے۔ کئی بار فرمایا کہ سلوک میں سب سے ابتدائی درجہ یہ ہے کہ آدمی آوازیں سنے، اس سے اونچا درجہ ہے کہ انوار نظر آئیں، اس سے اونچا درجہ یہ ہے کہ خواب کثرت سے نظر آئیں اور وہ ان کو بیان کرتے نہ تھکے۔ لیکن سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ان میں سے کچھ بھی نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ طبیعتیں دو طرح کی ہیں، ملکوتی اور جبروتی۔ ملکوتی طبیعت والے کو اس طرح کی چیزیں بہت نظر آتی ہیں۔ جبروتی طبیعت والے کو کچھ نظر نہیں آتا اور وہ افضل ہے۔ (سوانح۔۳۳۴)

شریعت کا احترام

حضرتؒ نے فرمایا، ہمارے یہاں چلہ نہیں ہے۔ اعتکاف ہے تاکہ نماز جماعت کے ساتھ مل سکے۔ (ارشادات۔۵۰)

چلّہ

فرمایا کہ ہمارے حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) نے کسی کے دریافت کرنے پر کہ حضرت جی چاہتا ہے کہ چلّہ کروں، فرمایا کہ چلہ نہیں، اعتکاف کہو۔ اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ بڑے لوگ تھے اور بڑی ہمت کے لوگ تھے جو چلّے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بغیر چلّے کے بھی فضل فرما دیتے ہیں۔ (ارشادات۔۲۶۵)

(۱۵)

سلوک میں ضروری احتیاط و پرہیز

احتیاط اور پرہیز کی ضرورت

فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے فرمایا تھا کہ اس راہ سلوک میں جو کرنا ہے وہ تو کرنا ہی ہے، مگر پرہیز بہت ضروری ہے۔ روشنی کے لئے چراغ، تیل اور بتی وغیرہ سب چیزوں کا اہتمام کیا جانا بہت ضروری ہے۔ مگر بجھانا (حضرت والا نے پھونک مارنے کا نمونہ دکھا کر فرمایا کہ) صرف پھونک مارنے سے ہوسکتا ہے۔ پس ماحول، صحبت، ذکر و شغل تو کرنا ہی ہے، مگر پرہیز سب سے ضروری ہے۔

حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ ایک شخص نے حضرتؒ (شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ) کو اپنا حال سنایا اور دریافت کیا کہ رجعت (دینی حالت میں گراوٹ) کی وجہ معلوم نہیں۔ حضرتؒ نے ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا کہ کیا کرایا کھونے کے لئے یہی ضروری نہیں کہ آدمی کسی معروف گناہ میں پورا مبتلا ہو۔ بعض اوقات ایک نظر جو کسی خلاف شرع مقام پر پڑ جائے، وہ اس خرمن کو جلانے کے لئے کافی ہوتی ہے اور اس ابتدائی نورانی کرن کو ہمیشہ کے لئے بجھانے کا سبب بن سکتی ہے۔ (فیوضات۔۴۵)

عبادات کسی حالت میں معاف نہیں

ایک سالک نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگ جب اونچے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور وصول الی اللہ ہو جاتا ہے تو ان سے عبادات معاف ہو جاتی ہیں؟ فرمایا بالکل جھوٹ ہے۔ وہ بزرگ ہی کیا ہوا جو عبادات کو ترک کر دے اور نماز روزہ

چھوڑ دے؟ لوگوں نے تصوف کو غلط سمجھا ہے۔تصوف تو شریعت پر چلنے کا نام ہے بلکہ یہ تو نقص ہے کہ احکام شریعت پر نہ چلا جائے۔حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور تمام اولیاء کرامؒ نے آخر عمر تک نماز روزہ اور دوسری عبادات کو پابندی سے ادا کیا۔کیا وہ حضرات آخر عمر تک اس مقام پر نہیں پہونچے تھے؟

سائل نے عرض کیا کہ وہ لوگ استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ" الحجر:۹۹ (اور اپنے پروردگار کی عبادت کئے جاؤ یہاں تک کہ تمہاری موت (کا وقت) آجائے۔) اور "یقین" کے معنی "موت" کے بجائے "یقین" لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یقین حاصل ہو جائے تو پھر عبادت کی ضرورت نہیں، حالانکہ مفسرین نے یقین کے معنی موت لکھا ہے۔حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اگر یقین کا یہ معنی نہ بھی لیا جائے تو بھی اس میں یہ کہاں ہے کہ بعد میں عبادت نہ کریں؟ کیا اس میں بعد میں عبادت کرنے کی نفی ہے؟

پھر سائل نے عرض کیا کہ میں نے حضرت کی ایک تقریر دہلی میں سنی تھی، اس میں آپ نے فرمایا تھا کہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ جب وصول ہو جاتا ہے تو وہ مکلّف نہیں رہتے۔ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ وہاں مکلّف کا معنی یہ ہے کہ (شرعی) احکام ان پر دشوار نہیں رہتے، آسانی سے ادا ہوتے رہتے ہیں اور ان کی غذا بن جاتے ہیں۔جیسے کہ آدمی جب کھانا کھاتا ہے تو اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کسی نے کہا ہو کہ مجھے کھانا کھانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ کھانا تو خود طلب کیا جاتا ہے۔اگر کوئی نہ کھائے تو مرجائے۔یہی حال اہل یقین کا ہوتا ہے کہ عبادت ان کی غذا بن جاتی ہے۔(فیوضات۔۳۸)

حب جاہ کے ترک کا اہتمام

حضرتؒ حب دنیا کے ترک کے لئے ہی ساری فکر فرماتے تھے اور اس میں حب جاہ کو سب سے شدید تصور فرماتے تھے۔اپنی بڑائی کے اظہار کا کیا تذکرہ، حضرتؒ تو اس سلسلے میں اپنے عالی مرتبہ شیخ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی تعریف سے بھی گریز فرماتے کہ اس میں بھی نفس کی خوشی اور ان سے تعلق کی بنا پر اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہے۔انہوں نے فرمایا:

میں اپنے حضرت کی تعریف اس لئے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف ہے، ورنہ

ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے۔اور تو کچھ نہیں عرض کرتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ میں چودہ سال حضرتؒ کی خدمت میں رہا۔اس طویل مدت میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔حب جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں اولیاء اللہ کے قلوب سے نکلتی ہے۔جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے۔یہ بات میں نے اپنے حضرت میں خوب اچھی طرح سے دیکھی کہ حب جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا۔(سوانح۔۲۴۳)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ آگے بیان فرماتے ہیں:

حضرتؒ نے اپنے مرشد و مربی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق اپنا ذاتی مشاہدہ و تائثر جو کچھ بیان فرمایا، حضرتؒ کے یہاں رہنے والوں کا بعینہ یہی تائثر حضرتؒ کی ذات کے متعلق ہے کہ کبھی ان سے ایک کلمہ بھی ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔حب جاہ کا یہاں سر کٹا ہوا تھا۔اس خادم کو ۱۳۶۹ھ میں حضرتؒ کے آخری سفر حج میں ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور تقریباً تین مہینہ شب و روز ساتھ رہنا ہوا ۔لیکن پورے سفر میں حضرتؒ نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس سے ان کے علوئے مرتبہ یا کسی کشف وادراک کا احساس ہو۔حج کے علاوہ بھی کبھی کوئی ایسی بات قصداً نہیں فرمائی جس سے لوگوں کی عقیدت میں اضافہ یا آپ کی بزرگی کا احساس ہو۔خدام نے جب سنا اپنی نفی، اپنا انکار اپنی بے حسی اور غباوت کا اظہار سنا۔(سوانح۔۲۴۶)

کم بات کرنے کا فائدہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے رمضان اس طرح گذارنے کا موقع ملا کہ اس میں پڑھنے پڑھانے (یعنی اذکار و اوراد) کے علاوہ باتیں کرنے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔مغرب کے بعد صرف ایک دو دوست سے کچھ باتیں ہو جاتی تھیں۔(تجربہ سے) اندازہ ہوا کہ باتیں کم کی جائیں تو اثر زیادہ ہوتا ہے۔ (فیوضات۔۹۷)

حرام چیزوں سے پرہیز

حضرتؒ نے فرمایا کہ ذکر کے اثرات تب ہی مرتب ہوتے ہیں جب کہ سالک کا کھانا پینا

(اور استعمال کی دوسری چیزیں) حلال ہوں۔حدیث میں آیا ہے"مطعمهٗ حرامٌ و مشربهٗ حرامٌ و ملبسهٗ حرامٌ فأنّی یُستجابُ لهٗ "یعنی کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام تو دعاء اور عبادت کہاں سے قبول ہو۔ میں نے اپنے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو بارہا دیکھا کہ مشتبہ کھانا حضرتؒ کو ہضم نہیں ہوتا تھا۔ اگر کھا لیتے تو فوراً قے ہو جاتی۔(فیوضات۔۱۰۱)

الجھنے کی عادت کا نقصان

حضرت میاں صاحب شاہ عبدالرحیم سہارنپوریؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے پہلے شیخ اور اپنے زمانہ کے مشہور اہل اللہ میں تھے۔حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ان کے بارے میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں جس سے ناقدانہ مزاج اور الجھنے کی عادت کے نقصان کی نشان دہی ہوتی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

حضرت میاں صاحب شاہ عبدالرحیم صاحب سہارن پوریؒ کے کشف کا یہ حال تھا کہ مرزا صاحب (مرزا غلام احمد قادیانی) کی شہرت اور دعوے سے بہت دن پہلے حکیم نورالدین (جو بعد میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفہ ہوئے) مہاراجہ جموں کی صحت کے لئے دعا کرانے کے لئے آئے۔ (حضرتؒ نے ان سے) فرمایا تمہارا نام نورالدین ہے؟ حکیم صاحب نے کہا ہاں۔فرمایا، علاقہ قادیان میں ایک غلام احمد (نامی شخص) پیدا ہوا ہے جو کچھ عرصہ کے بعد ایسے دعوے کرے گا جو نہ اٹھائے جائیں گے نہ رکھے جائیں گے۔تم اس کے مصاحب لکھے ہوئے ہو۔حکیم صاحب نے استعجاب کا اظہار کیا تو فرمایا تم میں الجھنے کی عادت ہے اور مناظرے کا شوق ہے۔یہی عادت تم کو وہاں لے جائے گی۔(سوانح۔۳۲۰۔۳۲۱)

غیر ضروری کشف ایک حجاب

ایک شخص نے حضرتؒ کے سامنے کسی بزرگ کا ذکر کیا کہ وہ ایک دفعہ کسی امام کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔امام صاحب کی لڑکی کی شادی تھی۔ چونکہ نماز میں دیر ہو رہی تھی انہوں نے جلدی میں سنار کو سونا بغیر وزن کئے دے دیا اور مسجد میں آکر نماز پڑھانے لگے۔نماز میں خیال آیا کہ میں نے سونا بغیر وزن کئے دے دیا ہے، کہیں کمی بیشی نہ ہو جائے۔وہ بزرگ جو

پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، صاحب کشف تھے۔انہوں نے نماز توڑ کر الگ نماز پڑھی اور نماز کے بعد امام صاحب سے کہنے لگے کہ آپ تو اللہ جل شانہٗ کے سامنے کھڑے تھے اور ہم آپ کے پیچھے، لیکن آپ کہیں دوسری جگہ پھر رہے تھے۔اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ایسے بزرگوں کو کہا جائے کہ بھلا تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹا کر ان اماموں کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔وہ اور چیزوں کے خیال میں حضوری سے دور ہوئے۔تم ان کی طرف خیال کر کے حضوری سے دور ہوئے۔ایسے صاحب کشف بزرگوں سے تو بے کشف ہی اچھے ہیں۔ (فیوضات۔۱۰۱)

سالک کو خود اپنے لئے ذکر تجویز نہ کرنے کا مشورہ

حضرتؒ کے ایک مسترشد مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھتے ہیں:

میں نے ایک اسم (اسماء الحسنیٰ میں سے اللہ کا ایک نام) جس کا ذکر حضرتؒ نے کچھ پیشتر فرمایا تھا اخلاق کی درستی کے لئے پڑھنا شروع کر دیا۔اس کے نتیجہ میں بے نیازی کا غلبہ، رقت ووجد اور انکساری میں بہت شدت پیدا ہوگئی اور لوگوں کو جنون کا شبہ ہونے لگا۔میں نے یہ ساری کیفیت حضرتؒ کی خدمت میں لکھی۔حضرتؒ نے اس کا حسب ذیل جواب دیا:

''برخوردار مولوی محمد یحییٰ صاحب سلمہ، از احقر عبدالقادر، بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تمہارا خط ملا، کیفیت معلوم ہوئی۔ برخوردار تم ذکر اذکار اتنا کرو جس سے دماغ میں خشکی نہ پیدا ہو جائے۔اور ''یا قہّار'' کا چلہ تم نے کیوں شروع کر دیا؟ اپنے اخلاق کو ویسے ہی درست کرنے کی سعی کرو۔اللہ تبارک وتعالیٰ سے امید عنایت ہی رکھنی چاہیئے۔ کچھ مقوّی دماغ اور مرطّب دماغ ضرور استعمال کرتے رہو۔ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ دماغ میں ضعف آجائے اور سارا کام ہی خراب ہو جائے۔از احقر عبدالقادر'' (سوانح۔۳۳۲)

ذوق وسرور کی عدم موجودگی میں بھی ذکر ضروری

حضرتؒ سے کسی نے پوچھا کہ بعض اوقات ذکر شد ومد اور ذوق سے نہیں ہوتا بلکہ جلدی جلدی کر لیا جاتا ہے۔کیا اس طرح ذکر کرنا ٹھیک ہے؟ فرمایا جس طرح ہو سکے پورا کر لیا جائے۔

البتہ کچھ شد و مد کا خیال رکھا جائے۔مگر آدمی ذکر کرتا رہے۔آخر اللہ تعالیٰ فضل فرما ہی دیتے ہیں۔

مزید فرمایا کہ اصل یہ ہے کہ عبادت میں سرور حاصل ہو یا نہ ہو، کچھ (انوار و آثار) دیکھے یا نہ دیکھے، بہر حال اپنا کام کرتے رہنا چاہیئے۔(فیوضات۔۹۹)

ذکر میں گریہ اور سکون، دونوں حالتیں محمود

ایک شخص نے سوال کیا کہ ذکر میں گریہ کی حالت اچھی ہے یا بعد میں ہونے والا سکون؟ فرمایا دونوں حالتیں اچھی ہیں۔اگر ہر وقت گریہ رہے تو آدمی کوئی کام نہیں کر سکتا۔اور دعاء میں جی لگنا، یہ بھی گریہ ہے، اگرچہ آنسو نہ نکلیں۔ (فیوضات۔۹۹)

غفلت کا نقصان

ایک بار فرمایا کہ اصل نقصان دہ چیز غفلت ہے۔ ہر عمل میں جتنی غفلت ہوگی اتنا ہی وہ عمل کم درجہ کا ہوگا۔اور غفلت سے مراد بغیر نیت اور احساس نیت کے کام کرنا ہے۔فرمایا یاد رکھو کہ ایک تو ورد کے طور پر ذکر کرنا ہے۔اور غفلت سے پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں تو ورد کے طور پر پڑھنا کیسے فائدہ سے خالی ہوسکتا ہے؟ مگر تعشق کے طور پر پڑھنا (اللہ کے لئے محبت کے جذبہ کے ساتھ ذکر کرنا) خواہ پرشوق اشعار کے ساتھ ہو یا ویسے ہی، زیادہ نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔(ارشادات۔۱۰۵)

غفلت کے تدارک کا طریقہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ مصیبتیں بھی چوکیدار ہیں جو انسان کو غفلت سے بیدار کرتی رہتی ہیں۔انسان کو غفلت ترک کرنا چاہیئے اور غفلت سے مراد یادِ خدا سے خالی الذہن رہنا ہے۔ اسلام نے رہبانیت نہیں سکھائی مگر خیالات کو دنیا کے دھندوں کی الجھنوں سے نکالنے کے بعد ان میں خدا تعالیٰ کی یاد کی پختگی پیدا کیئے بغیر تو انسان کا کام نہیں چلتا۔اسے رہبانیت کہیئے تو اتنا تو کرنا ہی ہوگا۔دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غار حراء میں جا کر رہنا پڑا اور پھر جب فرشتہ نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف تبلیغ کے لئے توجہ فرمائی۔ایک دفعہ پورا ٹوٹنے کی کوشش کیئے بغیر جو دنیا میں گھسنا ہے، اس میں غفلت شامل حال رہتی ہے۔اسی غفلت کو دور کرنا ہے۔

دنیا سے ٹوٹنے کے بعد پھر اس سے تعلق جوڑنا بالکل دوسری حیثیت کا ہے۔اس کی برکت سے ساری دنیا دین اور سارے کام فی سبیل اللہ ہو جاتے ہیں۔(فیوضات۔۴۶)

اختلاف رائے میں ضبط و تحمل

ایک بار فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ اختلاف خیال نہ رکھو۔جس کو اپنا اور مسلمانوں کا مفاد دیانتداری سے جس چیز اور جس سیاسی مسلک میں نظر آتا ہے، وہ اسی کے مطابق اپنے خیالات رکھے۔مگر یہ ہلڑ بازیاں، سبّ وشتم (گالی گلوچ) انسانیت سے گری ہوئی اور شرمناک بات ہے۔یہ نہیں ہونا چاہئے۔

مزید فرمایا کہ مخلص جو کام کرے، ہوسکتا ہے کہ اس میں غلطی کر جائے مگر نیت کی وجہ سے اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے (اس لئے کسی پر تنقید کرتے وقت اس کے اخلاص کے بارے میں حسن ظن پیدا کر کے ضبط وتحمل سے کام لینا چاہئے)۔(ارشادات۔۱۰۰۔۱۰۱)

(۱۴)

متفرقات

اصل، اسلام کی تعلیم ہے، مسلمان کا عمل نہیں

محمد اختر صاحب نے جو نومسلم تھے ایک مزار پر ایک شخص کو سجدہ کرتے دیکھا تو ان کے دل میں خیال آیا کہ بتوں کے سامنے سجدہ کرنے اور قبر پر سجدہ کرنے میں فرق کیا رہا۔ جب انہوں نے حضرتؒ سے اس تشویش کا تذکرہ کیا تو حضرتؒ نے فرمایا:

تم یہ نہ دیکھو کہ مسلمان کیا کرتا ہے۔ اس کے کسی فعل کو شریعت نہ سمجھو۔ تم یہ دیکھو کہ اسلام کیا کہتا ہے۔ مسلمان کا ہر فعل حجت نہیں بن جاتا۔ اس کے بعد اسلام پر روشنی ڈالی اور فرمایا: ایک موٹی سی بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ تمھارے سامنے کوئی شخص اگر آسمان پر اڑ کر بھی دکھلا دے لیکن اگر اس کا فعل سنت کے خلاف ہو، تو خواہ وہ کتنا ہی بزرگ ہو اس کے پیچھے نہ لگنا۔ اور دوسرا شخص اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پوری پابندی کرتا ہے تو اگرچہ اس سے کوئی بھی کرامت ظاہر نہ ہو، تم اس کے پیچھے لگ جانا۔ کسی خاص چیز کی مشق ہندو بھی کر لیتے ہیں۔ جو جس چیز کی مشق کرے گا، اسے اس میں کمال حاصل ہو جائے گا۔ کئی کئی روز تک سادھو دم سادھے بیٹھے رہتے ہیں۔ ایسے ہی مسمریزم ہے، اشارہ ہاتھ کا کرو، چیز اپنی طرف کھنچتی ہوئی نظر پڑے گی۔ یہ سب شعبدہ بازیاں ہیں۔ (سوانح۔۲۷۴۔۲۷۵)

علم لدنّی

حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو اس کو یہ قدرت ہے کہ علم (معروف ذرائع کے بغیر) ایسی راہ سے دے جس کا انسان کو پتہ ہی نہیں۔ اسی کو علم لدنّی کہتے ہیں۔ (ارشادات۔۲۰۲)

نسبت کا سلب کرنا

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا ایک ولی دوسرے ولی کی نسبت بھی سلب کرلیتا ہے؟ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ہمیں تو پتہ نہیں کیونکہ کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ ہاں حضرت حاجی صاحب (حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ) کا یہ قول حضرتؒ سے سنا ہے کہ جو شخص ایسا تصرف کرے، وہ بہت برا ہے۔ یہ سب (ایسا تصرف) خیال کی قوت پر موقوف ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس آیت مبارکہ سے جس میں ہے کہ ''دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہو مگر ان سے اجازت لے کر'' استنباط فرمایا ہے کہ کسی کی اندرونی حالت بھی ایسے طریقے سے نہ دیکھنے کی کوشش کرے، چہ جائیکہ تصرف کرنا۔ دریافت کیا گیا کہ کیا ایسا ہو بھی جاتا ہے؟ فرمایا نسبت تو کیا، ہاں توفیق سلب ہو جاتی ہے اور یہ سحر کی ایک قسم ہے۔ یہ کوئی بزرگی کی بات نہیں، خیالی قوت کی بات ہے جو کافر بھی کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرا خیال کا کمزور ہو یا بے خیال ہو۔ ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ (ارشادات۔۴۴۔۴۵)

سماع کی حقیقت

کسی نے حضرتؒ سے سوال کیا کہ یہ جو چشتیہ کے یہاں سماع ہوتا ہے یہ کچھ مفید ہے؟ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ کچھ کچھ ذکر کے وقت شعر پڑھنے کو میں بھی کہہ دیا کرتا ہوں تا کہ بالیدگی ہو، مگر اسی کو سب کچھ بنالینا غلط اور بے فائدہ ہے۔ باقی اگر میاں جی نور محمد صاحبؒ (مرشد حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ) حضرت حاجی صاحبؒ (حاجی امداداللہ مہاجر مکی) اور حضرت گنگوہی (حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) وغیرہ حضرات کی مثال سامنے نہ ہوتی تو ہم سمجھتے کہ شاید سماع چشتیہ کے لوازمات میں سے ہے۔ مگر یہ حضرات چشتی تھے اور سماع سے پرہیز کرنے والے بھی۔ اس لئے سماع ضروری نہیں۔ ہاں ایک معذوری ہوتی ہے۔ اگر کوئی معذوری میں ایسا کرلیتا ہے تو ہم ان حضرات کو معذور سمجھیں گے کیونکہ یہ تو مرض کا ایک علاج ہے۔ اس پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے؟ ہم ان بزرگوں پر جنہوں نے سماع سنا اعتراض تو نہیں کرتے، مگر ہمارے ہاں یہ نہیں ہے۔ مزامیر (بانسری یا آلات موسیقی) تو ویسے ہی جائز نہیں۔ بڑی بات تو شریعت کا اتباع ہے۔ یہی اپنے بزرگوں سے ہم نے سنا ہے۔ قرآن

پاک کی تلاوت سے مناسبت پیدا کرنی چاہئے۔(ارشادات۔۴۰۔۴۱)

حرص وطمع کے علاج کی ترغیب

حضرتؒ کی خدمت میں ایک شخص کا ذکر ہوا کہ اس نے دنیا کمانے کے نقطۂ نظر سے بڑی کامیاب زندگی گزاری اور پسماندگان کے لئے معقول نقد و جائیداد مہیا کر رکھی ہے، مگر سوسالہ پیرانہ سالی کے باوجود حرص دن دونی اور رات چوگنی ترقی پر ہے۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ ان کو الزام نہ دو۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جو کام زندگی بھر کرے، بڑھاپے میں وہی خیالات گھومتے ہیں۔ اور حرص تو حدیث میں آیا ہے کہ بڑھاپے میں جوان ہوجاتی ہے بشرطیکہ جوانی اور شروع عمر میں اس کا علاج نہ کردیا جائے۔ اخلاق میں حرص کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کو جوانی میں قابو نہ کرلیا جائے تو بڑھاپے میں بڑھتی ہے کیونکہ حرص کا کوئی خاتمہ نہیں ہوتا۔(ارشادات۔۱۸۲۔۱۸۳)

اہل اللہ کی صحبت ایمان کی حفاظت کا ذریعہ

اس بات کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی حفاظت کے خدائی نظام میں اہل اللہ کی صحبت کو جو مقام حاصل ہے، اس کا کوئی دوسرا نعم البدل نظر نہیں آتا۔ حضرت رائے پوریؒ ایک بار اپنے ایک عزیز کے علاج کے لئے حکیم نورالدین (جو مرزا احمد قادیانی کے دست راست اور خلیفہ تھے) کے یہاں قادیان تشریف لے گئے۔ (اس سے کچھ دن پہلے ہی حضرتؒ نے رائے پور حاضر ہوکر حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی زیارت کی تھی)۔ حکیم نورالدین جب اپنی مجلس میں بیٹھتے تو وقتاً فوقتاً لَّا إِلَـٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبياء: ۸۷) (تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی (سب نقائص سے) پاک ہے، بے شک میں ہی قصوروار ہوں) آواز اور کیفیت کے ساتھ پڑھتے جس کی وجہ سے، جیسا کہ حضرتؒ نے خود فرمایا، ان کی طرف دل کھنچتا تھا۔ انہوں نے حضرتؒ کے استفسار پر اپنے حق پر ہونے کی دلیل کے طور پر یہ کہا کہ قرآن دوسروں یعنی (غیر قادیانیوں) کے دل میں نہیں اترا ہے اور یہ کہ انہیں انوار نظر آتے ہیں اور مکالمۂ باری ہوتا ہے۔ اس بات کا بڑا

خطرہ تھا کہ حضرتؒ ان سے متاثر ہو جاتے لیکن جس چیز نے اس وقت ان کے ایمان کی حفاظت فرمائی وہ ان کی اللہ کے ایک نیک و مخلص بندے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضری تھی۔انھوں نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ میں چونکہ رائے پور ہو کر آیا تھا، میں نے اتنا کہا کہ تم حق پر ہو یا نہ ہو، بہرحال جس شخص کو میں دیکھ کر آیا ہوں وہ یقیناً حق پر ہے۔ میں نے حضرت (مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ) کو قرآن مجید پڑھتے بھی دیکھا تھا۔تہجد میں طویل تلاوت فرماتے تھے۔کبھی رو رہے ہیں، جب عذاب کا ذکر آتا تو رو رو کر استغفار پڑھ رہے ہیں، ہاتھ جوڑ رہے ہیں۔اسی طرح جب آیات رحمت کا ذکر آتا تو خوش ہو رہے ہیں اور سکوت ہے۔ میں نے سمجھا کہ (قادیانیوں کا یہ کہنا) بھی غلط ہے کہ دوسروں کے دلوں میں قرآن نہیں اترا۔اگر میں نے حضرت کو نہ دیکھا ہوتا تو قادیانی بن گیا ہوتا۔(سوانح۔۶۱)

اہل اللہ کی توجہ کی برکت

حضرتؒ کے خادم خاص مولانا عبدالمنان صاحب بیان فرماتے ہیں کہ شبیر نام کے ایک نومسلم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھتے تھے جو میرے ہم سبق تھے۔وہ ہندو خاندان کے تھے۔اب جہاں طلبہ کا جدید ہاسٹل ہے وہاں پہلے کچے کمرے تھے، وہیں ہم لوگ رہتے تھے۔وہاں سے حاجی شاہ کمال قبرستان تک جو سڑک جاتی ہے اس پر ایک مندر بھی ہے، اسی طرف سیر کرتے ہوئے شبیر صاحب ایک مرتبہ نکلے۔وہاں ایک ہندو فقیر کی ان پر نظر پڑ گئی جس سے ان کے دل میں اسلام کے خلاف انحراف کے جذبات پیدا ہونے لگے۔ یہ بات آکر انہوں نے مجھ سے کہی۔میں ان کو حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے پاس لے کر گیا۔انہوں نے پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ میں نے حالات عرض کئے۔حضرت شیخ الحدیثؒ نے ان کو حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں لے جانے اور حالات عرض کرنے کی ہدایت فرمائی۔ میں ان کو لے کر رائے پور حاضر ہوا۔حضرتؒ سے حالات عرض کئے۔صبح کو جب حضرتؒ سیر کو تشریف لے گئے تو میں سو رہا تھا۔ واپسی پر خانقاہ کے گیٹ پر کھڑے ہو کر مجھے یاد فرمایا کہ مولوی عبدالمنان کہاں ہیں؟ مجھے بلایا گیا۔حضرتؒ نے فرمایا کہ تم بھی عجیب

آدمی ہو جس کام کے واسطے آئے تھے وہ تمہیں یاد نہیں۔ مولوی شبیر اس وقت ساتھ ہی تھے۔ حضرتؒ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ احقر کچھ بھی نہیں، لیکن بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ یوں اشارہ کریں (حضرت نے ان کے دل کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) تو اس کا قلب جاری ہو جاتا ہے۔ بس اتنا فرمایا کہ تم ایسی جگہوں میں نہ جایا کرو ان ہندو فقیروں کے پاس۔

مولوی صاحب کا بیان ہے کہ اس اشارے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قلب میں ایمان پھر عود کر آیا ہے اور بحمد اللہ سارے شبہات و خدشات و وساوس زائل ہو گئے اور اس کے بعد یہ کیفیت دوبارہ نہیں ہوئی۔ (سوانح۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸)

سادھو اور جوگیوں کے باطنی اثرات کے سلسلے میں ایک وضاحت

کسی نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ اگر کسی (سادھو، جوگی یا بدعقیدہ شخص) کے تصرف سے کسی صحیح العقیدہ مسلمان کے خیالات بگڑ جائیں تو جس پر اثر ہو، اس کا تو کوئی قصور نہیں۔ اور وہ عنداللہ معذور ہے یا نہیں؟ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اس کا علاج جاننے والوں سے دریافت کر کے اس پر عمل کرنا اس کے اختیار میں ہے (تو اس شخص کے لئے اس کا اختیار کرنا اس کی ذمہ داری ہے)۔

اسی نشست میں حضرت نے اسی موضوع پر فرمایا تھا کہ اگر کسی شخص کو ایسے حالات پیش آجائیں تو اللہ کے کسی (نیک اور صاحب تاثیر) بندہ کے پاس جانے سے نفع بھی ہو جاتا ہے اور یہی کرنا چاہئے۔ باقی اختیار سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کا نہیں۔ (ارشادات۔ ۲۸۔ ۲۹)

غلط کتابوں کا منفی اثر اور اس سے حفاظت کا طریقہ

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح اچھی یا بری صحبت کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح اچھی اور نقصان دہ کتابیں بھی پڑھنے والوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے حضرتؒ مسلمانوں کو عموماً اور طالب حق کو خصوصاً یہ مشورہ دیتے تھے کہ وہ ان کتابوں کے انتخاب میں بہت احتیاط سے کام لیں جنہیں انہوں نے پڑھنے کے لئے چنا ہے۔ حضرتؒ نے اس سلسلے میں خود اپنا مشا

ہدہ بیان فرمایا۔

فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے (جن کے یہاں حضرتؒ نے اپنی ابتدائی زندگی میں ان کے ایک لڑکے کے معلم خاص کی حیثیت سے کچھ عرصہ قیام فرمایا تھا) ایک دفعہ مرزائیوں (مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو) کی کتابیں منگوائی تھیں، اس غرض سے کہ ان کی تردید کریں گے۔ میں نے بھی دیکھیں۔ قلب پر اتنا اثر ہوا کہ اس طرف میلان ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ سچے ہیں۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی اس طرح کی کشمکش پیدا ہوتی اور طبیعت میں شدت سے اس کا تقاضہ پیدا ہوتا کہ حق کیا ہے تو میں دو رکعت نفل پڑھ کر الحاح کے ساتھ دعا کرتا۔ طبیعت اس طرف سے سرد ہو جاتی اور قلب میں ایک سکون پیدا ہو جاتا۔ (سوانح۔ ۵۶)

اچھی کتابوں کے پڑھے جانے کا اہتمام

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں کہ رائے پور کی خانقاہ کی ایک بڑی خصوصیت جو باہر کے آنے جانے والے کو محسوس ہوتی اور جو حضرت کے ایک خاص ذوق اور تقاضائے قلبی کا نتیجہ تھا، مجلس عام میں ان مفید اور منتخب دینی کتابوں اور مواعظ کے پڑھنے کا سلسلہ تھا جو زندگی کے آخری برسوں میں حضرت کے یہاں کا ایک ضروری معمول اور ایک وظیفہ اور خانقاہ کی زندگی کا نصاب سا بن گیا تھا۔ کئی برس سے یہ معمول ہو گیا تھا کہ عصر کی نماز کے بعد کی مجلس میں (جو خانقاہ اور حضرت کے یہاں کی سب سے بڑی اور عمومی مجلس ہوتی تھی) کوئی ایک قابل اعتماد منتخب دینی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی۔ جو کتابیں اس مجلس میں زیادہ تر پڑھی گئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی تصنیفات عام طور پر، خصوصیت کے ساتھ خصائل نبوی (شمائل ترمذی) اور کتب فضائل بار بار اور مکرر سہ کرر پڑھی گئیں۔ حضرت نے کئی بار فرمایا کہ ان کتابوں میں بڑی نورانیت ہے۔

واقدی کی فتوح الشام کا ترجمہ۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تاریخ دعوت وعزیمت کا پہلا حصہ بار بار اور دوسرا حصہ

ایک دو باراور تذکرہ مولانا فضل رحمان صاحب گنج مرادآبادیؒ کئی بار پڑھا گیا۔مولانا ہی کی سیرت سید احمد شہیدؒ لاہوراور لائل پور کے قیام میں پڑھی گئی۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی مقبول کتاب سیرت رحمۃ للعالمین کے تینوں حصے بڑے ذوق اور توجہ سے سنے اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

ان کے علاوہ مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصومؒ تلخیص وترجمہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی مطبوعہ مکتبہ الفرقان لکھنؤ اور حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ ترجمہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی حضرتؒ کی مجلس میں بار بار پڑھی گئیں۔

ان کتابوں کے علاوہ دارالمصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی کی تاریخ وسیر کی کتابیں، سیر صحابہ کے مختلف مجموعے اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتابیں جو رد اہل بدعت اور مسلک دیو بندی کے دفاع میں ہیں بڑے شوق اور دلچسپی سے سنی گئیں۔حضرتؒ نے مولانا کو اس سلسلہ کے جاری رکھنے کی ہدایت بھی فرمائی۔

کسی زمانہ میں اس معمول میں اتنی ترقی اور انہماک ہوجاتا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کتاب سنے بغیر چین نہیں آتا۔اس ذوق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تاریخ دعوت وعزیمت کے تیسرے حصے کے مسودہ کے ساتھ جس میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا تذکرہ ہے رائے پور حاضر ہوئے تو مصافحہ کے ساتھ ہی مسودہ طلب فرمایااوراسی وقت پڑھنے کا حکم ہوا۔ظہر کے بعد سے عصر تک اور عصر کے بعد سے مغرب تک برابر یہ سلسلہ جاری رہتا۔کبھی کبھی کمرے میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے لالٹین جلا کر کتاب پڑھی جاتی۔جب تک کتاب ختم نہیں ہوگئی کوئی دوسرا کام ان اوقات میں نہیں ہوا۔(سوانح۔ ۱۱۷۔۱۲۰)

اچھی کتابوں کے لکھے جانے کا اہتمام

حضرتؒ مسلمانوں کی ضرورت کے پیش نظر اچھی دینی کتابوں کے لکھنے اور ان کے پھیلانے کو بہت پسند فرماتے تھے۔قادیانیت کے زور کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے قادیانیت کے رد میں ایک کتاب لکھنے کی نہ صرف فرمائش کی بلکہ ان کی

ایک حاضری کے موقعہ پر انہیں اپنے یہاں قیام کے لئے پابند کیا حتیٰ کہ مولانا نے وہاں ٹھہر کر اپنی معروف کتاب ''قادیانیت، مطالعہ وجائزہ'' تصنیف فرمائی۔ جب مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے (جن کا حضرت سے بیعت کا تعلق تھا) اپنے ایک سفر میں حضرت سے اپنی باطنی حالت کا ذکر کیا اور توجہ اور رہنمائی کے طالب ہوئے تو حضرتؒ نے مولانا کو ان کی باطنی ترقی کے لئے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے سلسلہ کو مکمل کرنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح حضرت نے مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کو بھی اپنی تصنیفی کوششوں کو جاری رکھنے کی تلقین کی۔ (سوانح۔ ۳۳۳)

ختم خواجگان

حضرتؒ کی زندگی کے آخری ۵،۶ سال ختم خواجگان کی بڑی پابندی رہی۔ رائے پور قیام ہو یا پاکستان یا کہیں اور، بالعموم فجر کی نماز کے بعد آزاد صاحب (سید مسعود علی) کے اہتمام میں ختم خواجگان ہوتا۔

یہ ختم حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ قدس سرہ کے زمانہ سے معمول بہ ہے۔ ترتیب یہ ہے کہ پہلے تمام شرکاء دس دس (۱۰) مرتبہ درود شریف پڑھیں، اس کے بعد مجموعی طور پر تین سو ساٹھ (۳۶۰) بار لا مَلْجَأَ وَلا مَنْجیٰ مِنَ اللّٰہِ الّا الیہ، پھر تین سو ساٹھ (۳۶۰) بار سورہ ''الم نشرح'' بسم اللّٰہ کے ساتھ، پھر لا مَلْجَأَ وَلا مَنْجیٰ مِنَ اللّٰہِ الّا الیہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) مرتبہ، پھر تمام شرکاء دس دس (۱۰) مرتبہ درود شریف پڑھ کر دعاء کریں۔

ختم کے آخر میں آزاد صاحب طویل دعا کرتے جس میں تعلق والے مرحومین کے لئے دعاء مغفرت اور جن لوگوں نے فرمائش کی ہوتی ان کی کار برآری اور مقاصد کے لئے اجتماعی دعا ہوتی۔ (سوانح۔ ۱۲۰۔۱۲۱)

نفل عبادات کے بارے میں احتیاط

حضرتؒ ان لوگوں کے لئے جو فریضہ حج سے فارغ ہو گئے ہیں بار بار حج نفل کرنے کی

(سوائے خاص حالات کے) ہمت افزائی نہیں فرماتے تھے۔ اس کے بجائے ایسے کاموں میں روپیہ صرف کرنا بہتر سمجھتے تھے جن میں دین کی ترقی اور اسلام و مسلمانوں کا استحکام ہے۔ حضرتؒ کو (ایک طبیب حاذق اور مبصر کی حیثیت سے) اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ اس میں نفس کا حصہ نہیں ہے۔

ایک صاحب حج نفل کے لئے تیار تھے، حضرتؒ نے بلایا اور ہنس کر فرمایا کہ اگر لوگوں سے کہا جائے کہ نماز خشوع و خضوع سے پڑھو تو بار ہوگا اور نہیں ہو سکے گا۔ لیکن حج کے لئے کہا جائے تو فوراً تیار ہو جائیں گے۔ (سوانح۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲)

اس طرح حضرتؒ مسلم ممالک کے ذرائع کے بامقصد استعمال کو اہمیت دیتے تھے اور اس میں جذباتیت کو نقصان دہ سمجھتے تھے۔

رفیق احمد خاں صاحب ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''ایک روز حضرتؒ کو بتایا گیا کہ مسجد اقصیٰ کے گنبد کی تعمیر کے لئے عرب ممالک میں چندہ کی تحریک ہو رہی ہے اور سعودی حکومت نے اپنی جانب سے اتنے ریال دینے کا اعلان کیا ہے۔''

حضرتؒ کو اس خبر سے کوئی خوشی نہ ہوئی بلکہ افسوس کا اظہار فرمایا اور کہا یہ سب بے کار ہے۔ گنبد کی مرمت سے کہیں ضروری یہ ہے کہ اس رقم سے سعودی حکومت ملک میں کوئی مدرسہ، تعلیمی مرکز یا صنعتی ادارہ قائم کرتی۔ (سوانح۔ ۲۸۵)

قبر کے لئے پہلے سے جگہ متعین کرنے کی ممانعت

ایک صاحب نے حضرتؒ سے ذکر کیا کہ انہوں نے ایک خالی جگہ اپنی قبر کے لئے رکھی ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ قبر کے لئے پہلے سے نیت کرنے میں کیا مصلحت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ قبر کو اور اپنی موت کو یاد کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اور لوگوں کی قبروں کو دیکھ کر موت کو یاد کر لیا کرو کہ مجھ کو بھی مرنا اور یہاں آنا ہے۔ اس لئے کہ نہ تو کسی کو پتہ ہے کہ کہاں مرے اور کہاں دفن ہو اور قبر ملے یا نہ ملے۔ یہ قصہ قبر والا ہرگز نہ کرنا۔ (ارشادات۔ ۱۴۸)

رزق کی قدر کرنے کی ترغیب

حضرتؒ نے ایک بار فرمایا کہ میں نے ایک صاحب کو کہا کہ اپنا کام دیکھا کرو تو انہوں نے کہا کہ جی نہیں لگتا۔ بھلا جب جی نہ لگے گا تو جائداد رہے گی؟ کفران نعمت (نعمتوں کی ناقدری) پر خدائے تعالیٰ ان کو کیسے دے گا؟ اللہ تعالی ان کو دے گا جو اس کی ناقدری نہیں کریں گے اور کام میں جی لگائیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں سے رزق کا دروازہ کھول رکھا ہے اسے خود نہ چھوڑو۔ وہ اسے بند کرے گا تو کوئی اور دروازہ کھول دے گا۔ ہاں اگر کوئی کفران نعمت کرے گا تو اس کا علاج نہیں۔ (ارشادات۔۸۲)

غلطی پر اصرار کا نقصان

ایک مجلس میں فرمایا کہ قوم کا اپنی غلطی پر اصرار کرنا یعنی اس کو صحیح کہنے کی عادت بنا لینا بڑا خطرناک مرض ہے جو مسلمانوں سے اب تک دور نہیں ہوا۔ حالانکہ آج کل ہر بیدار قوم کا شیوہ ہے کہ جہاں ٹھوکر لگی اور نقصان پہونچا تو وہ فوراً کمیشن بٹھاتی ہے اور غلطی کو جاننا اور ماننا بہتر سمجھتی ہے۔ مگر ہم ہیں کہ دوراز کار تاویل پر تاویل کرتے چلے جاتے ہیں جس کا نتیجہ نقصان در نقصان کی شکل میں نکلتا ہے۔ یہ غلطیوں کی تاویل کرنا اور انہیں نہ ماننا کوئی قابل فخر بات نہیں، تباہ کن عادت ہے جسے ہم چھوڑتے نہیں۔ (ارشادات۔۲۶۵۔۲۶۶)

عملیات کی ممانعت

ایک صاحب نے ایک نوجوان کے متعلق یہ سفارش کی کہ یہ فلاں آیت کریمہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ آیت کریمہ کا عمل کس لئے کرنا چاہتے ہیں؟ وہ نوجوان بولا کہ کچھ مقاصد ہیں۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اس مرض میں مت پڑو، اپنا پڑھو (ذکر کرو) اور کسی اللہ والے کے ہاں حاضر ہو کر رضائے الٰہی کے لئے پڑھنا (ذکر کرنا) سیکھو۔ نیز فرمایا کہ میرے خیال میں خدائے تعالیٰ جس سے ناراض ہوتے ہیں اس کو عملیات یا کیمیا میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ میرا مشورہ ان نوجوان کو یہ ہے کہ وہ اس مرض میں نہ پڑیں۔ اگر امتحان وغیرہ کے لئے ایسا کرنا ہے تو پڑھائی میں محنت کرنی چاہیئے۔ اگر یہ عملیات کچھ ہوتے تو پیروں اور عالموں کے لڑکے ہی

امتحانوں میں سب سے زیادہ کامیاب ہوا کرتے۔(ارشادات۔۱۲۹۔۱۳۱)

بے نمازیوں پر جرمانہ کی ممانعت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں تبلیغ کے سلسلہ میں چودھریوں نے اعلان کر دیا ہے کہ بے نمازیوں پر جرمانہ کیا جائے۔حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ نہ کرنا۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ: البقرۃ ۲۵٦ (دین اسلام میں زبردستی نہیں۔ہدایت صاف طور پر ظاہر اور گمراہی سے الگ ہو چکی ہے) بس سمجھاتے بجھاتے اور نرمی محبت سے کوشش کرتے رہو۔(ارشادات۔۱۲۴۔۱۲۵)

اسلامی لباس

پوشاک کے بارے میں ایک حاضر مجلس کے سوال کے جواب میں حضرتؒ نے فرمایا کہ اسلام نے کوئی خاص پوشاک نہیں مقرر کی۔البتہ پوشاک میں بعض امور (بہت زیادہ چست، بہت باریک اور مَردوں کے لئے ریشم) سے منع فرمایا ہے اور ستر پوشی کو لازم قرار دیا ہے۔تو جس پوشاک میں ستر پوشی ہو اور اس میں ممانعت والی چیزیں نہ ہوں وہ جائز ہے۔ اور اپنے صالحین کا لباس اختیار کرنا افضل ہے۔مثلاً ہندوستان میں جو لباس اہل اللہ نے اختیار کر رکھا ہے وہ نہ تو حضورﷺ کا ہے، نہ اہل عرب کا، بلکہ ہندوستان کا قومی اور ملکی لباس ہے۔تو جو چیز صلحاء اختیار کر لیں وہ اوروں کے لئے قابل اختیار اور افضل ہو جاتی ہے۔ (ارشادات۔٦١)

اسلامی تعلیمات کی عالم گیری

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا اسلام نے کچھ ایسی باتیں بھی بتائی ہیں جو بغیر جغرافیائی اختلاف کے ہر جگہ یکساں قابل عمل ہوں؟ حضرتؒ نے فرمایا ہاں۔مثلاً اپنے بھائی کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ اگر اس ایک حدیث پر عمل ہو جائے تو دنیا کے جھگڑے مٹ جائیں اور برائے نام کوئی جھگڑا رہے۔

(ارشادات۔٦١)

ہندو پاک کے درمیان امن وآشتی کے خواہاں

حضرتؒ باہمی خیر سگالی کے بہت خواہاں تھے اور اسے سماج اور ملک کی سلامیت اور خوشحالی کے لئے نہایت ضروری خیال فرماتے تھے۔

رفیق احمد خاں صاحب ''نوائے وقت'' میں ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرتؒ کو پاک اور بھارت کے باہمی تعلقات کی خبروں سے گہری دلچسپی تھی۔ دونوں ملکوں کے تعلقات کی بہتری اور اصلاح کی کوئی خبر سنتے تو بہت خوش ہوتے اور فرقہ وارانہ فسادات کی خبروں سے پریشان وفکرمند ہوتے۔ دونوں ملکوں کے چوٹی کے لیڈروں کی فرقہ وارانہ مذمت کی کوئی خبر سنتے تو بڑی تسلی کا اظہار فرماتے۔ حضرت اقدسؒ بھارت اور پاکستان کے باہمی بہتر تعلقات کو دونوں ملکوں کی تعمیر وترقی کے لئے ضروری خیال فرماتے۔'' (سوانح۔ ۲۸۳)

منافرت کی پالیسی کا نقصان

حضرتؒ نے ایک بار فرمایا کہ منافرت (مسلمانوں کی غیر مسلموں سے نفرت اور دوری) کی پالیسی ہندوستان میں (مسلمانوں کے لئے) نہایت ہی ناعاقبت اندیشی اور بے وقوفی کی پالیسی ہے۔ جس سے مسلمانوں کا ہی زیادہ نقصان ہے۔ ایسے منافرت کے ماحول میں آریہ سماجی تحریک ہندوؤں میں زیادہ قابل قبول ہو جاتی ہے اور ان کے لئے ارتداد کے لئے زیادہ تدابیر اختیار کرنے کے امکان پیدا ہو جاتے ہیں۔ مسلمان بولتے اور شور مچاتے زیادہ ہیں اور کام کم کرتے ہیں۔ (ارشادات۔۱۱۴)

عصری علوم کی ضرورت کا احساس

حضرت مختلف اور فنی امور میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کو زمانہ کی ضرورت وتقاضہ کے مطابق لازمی خیال فرماتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس میدان میں مسلمان کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ اگر کوئی حضرتؒ کی خدمت میں آکر یہ عرض کرتا کہ بچوں کو سائنس کی تعلیم کے لئے کسی فنی ادارہ میں داخل کرنا ہے یا مزید تعلیم کے لئے بیرون ملک بھیجنے کا خیال ہے تو بہت مسرور ہوتے اور اس کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ حضرت کچھ شعبوں میں عورتوں کی اعلیٰ فنی تعلیم کو بھی

ایک ضابطہ کے اندر ضروری خیال فرماتے تھے، خاص کر ڈاکٹری کے پیشہ کے لئے عورتوں کے علاج کی خاطر اس تعلیم کو عورتوں کے لئے مفید خیال فرماتے تھے۔(حضرت ۲۸۵۔۲۸۶)

اخبارات کے مطالعہ سے شغف

حضرتؒ کو زمانۂ حاضرہ کے ان حالات سے جن کا خصوصیت کے ساتھ ملت اسلامیہ سے تعلق ہوتا تھا واقفیت کا اہتمام تھا۔اس سلسلہ میں آنے جانے والے واقف حضرات سے بھی ایسے موضوعات پر گفتگو فرماتے تھے۔اس کے علاوہ اخبار سے متعلقہ خبریں سننے کا بھی بہت اہتمام فرماتے تھے۔بعض حضرات اخبار کی اہم خبریں پڑھ کر سناتے۔ یہ کام اخیر زمانہ میں حاجی فضل الرحمان کے سپرد تھا۔ وہ خبروں پر پہلے سرخی سے نشان لگا لیتے۔بعض بعض اہم مضامین بھی پڑھ کر سنائے جاتے۔ حضرت کبھی کبھی کچھ ارشاد بھی فرمادیتے۔ اخبارات کا انتظار رہتا اور پابندی سے وہ پڑھے جاتے۔بعض زمانہ میں یہ سلسلہ عصر کے بعد تک رہتا۔

اخبار پڑھنے کے لئے جو وقت مقرر تھا اس وقت کسی کی آمد پسند نہ فرماتے۔اخبار بینی کو اپنا وظیفہ فرمایا کرتے تھے۔(سوانح۔۱۱۲۔۱۱۳)

رفیق احمد خان صاحب ''نوائے وقت'' میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں حضرت کی خبریں سننے سے دلچسپی کا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''حضرت خبریں سننے کو کبھی کبھی اپنا وظیفہ کہا کرتے تھے۔ایک روز جب میں حاضر ہوا تو دیکھا مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم حضرتؒ کی چارپائی کے ساتھ لگے حضرتؒ سے باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے کسی نے دور سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مطلب تھا کہ شاہ صاحب کی حضرتؒ سے مخاطبت میں کوئی خلل نہ ڈالا جائے۔ میں نے سکوت کیا اور حضرت کے سرہانے کے جانب چارپائی کے قریب دبک کر بیٹھ گیا۔ابھی کچھ دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرتؒ نے دوسری جانب منہ پھیر کر فرمایا ''یہاں کون کون بیٹھا ہے''؟ دوسرے لوگوں کے ساتھ میرا نام بھی لیا گیا۔ حضرتؒ نے فوراً کہا، ''ارے تم کہاں چھپ کر بیٹھ گئے؟ ادھر آؤ''، پھر شاہ صاحب کی طرف مسکرا کر دیکھا اور فرمایا، ''حضرت اب ہم اپنا وظیفہ کرنے لگے ہیں'' اور پھر ارشاد ہوا، ''اچھا کوئی خبر سناؤ'' (سوانح۔ ۲۸۶)

طلباء کے لئے اخبار بینی

ایک مجلس میں حضرت والا کے سامنے مولانا خیر محمد صاحب کے اس خیال کا ذکر آیا کہ طلباء کو اخبار وغیرہ بالکل نہیں دیکھنا چاہئے۔تو حضرتؒ نے فرمایا کہ ہاں تجربہ سے یہ بات مجھے بھی محسوس ہوئی ہے کہ طلباء دوران تعلیم ان امور کی طرف نہ متوجہ ہوں۔کیونکہ انسان سے ایک ہی کام اچھی طرح ہوسکتا ہے۔خصوصا اس زمانہ میں جب دماغی کمزوری پائی جاتی ہے وہ اور بھی ایسی پابندی کا تقاضا کرتی ہے۔(ارشادات۔۱۰۳)

بچوں کی تعلیم میں ان کی استعداد کا لحاظ

ایک امام صاحب نے اپنے دو بچوں کو دعاء کے لئے حضرتؒ کے سامنے کیا اور ایک کے متعلق کہا کہ یہ متوسط درجہ کا ذہن اور حافظہ رکھتا ہے۔شروع میں حفظ میں اچھا چلتا تھا، مگر اب نہیں چلتا۔اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یورپ میں لوگ ماہرین سے مشورہ لیتے ہیں جو بچوں کی استعداد کا اندازہ کرنے میں ماہر ہوتے ہیں اور پھر ان کے مشورہ کے مطابق بچوں کو تعلیم دیتے ہیں۔مگر ہمارے یہاں اس کا انتظام نہیں۔ یورپ والے زیادہ تر اسی لئے کامیاب ہوتے ہیں کہ جس استعداد کا بچہ ہوتا ہے اور جس طرف اس کا قدرتی رجحان ہوتا ہے وہ اسے ویسی ہی تعلیم دلاتے ہیں۔بیس پچیس سال پہلے میں نے اخبار میں ایک جرمن ماہر کا مضمون دیکھا تھا جو یہ کہتا تھا کہ وہ بچے کو کھلونوں کے ساتھ کھیلتا دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ اس بچے کو اگر فلاں قسم کی تعلیم دلائی جائے تو یہ کامیاب ہوگا۔(ارشادات۔۱۳۶۔۱۳۷)

حضرت رائے پوریؒ کی تعلیمات کا خلاصہ

گذشتہ صفحات میں حضرت رائے پوریؒ کی پیش کی گئی تعلیمات کا خلاصہ یہاں اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ ان پر عمل کرنے کی نیت رکھنے والوں کو آسانی ہو۔

(۱) اس راہ کے سالک کو سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ تصوف کا اصل مقصد شریعت مطہرہ پر مضبوطی اور اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی استعداد پیدا کرنا ہے، اس طرح کہ تقلیدی ایمان وجدانی ایمان میں بدل جائے اور سالک کے لئے نیکیوں کا اپنانا اور برائیوں سے بچنا آسان ہو جائے، اور ہر کام میں اللہ کی رضاء اس کے پیش نظر ہو۔

(۲) جب تصوف کا مقصود شریعت پر عمل کرنے کی استعداد کو پیدا کرنا اور اس کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا ہے تو ضروری ہے کہ سالک اسلامی عقیدے کو صحیح طریقے سے سیکھ اور سمجھ کر اپنائے، فرائض کی پابندی کرے، سنتوں کا اہتمام کرے اور اس بات کو سمجھے کہ اس کے دل میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت جتنا بڑھے گی اتنا ہی اس کے لئے دین پر چلنا ممکن اور آسان ہوگا۔

(۳) اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت، جو دین پر چلنے میں شاہ کلید کا درجہ رکھتی ہے، کے حصول کے لئے سالک کو ضروری اقدام اختیار کرنا چاہئے کہ یہ نعمت صرف تمنا سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے حصول میں دو باتیں معاون ہوتی ہیں جن کی تصدیق وتائید اہل اللہ کے صدیوں کی تحقیق وتجربہ نے کی ہے۔ اور وہ دو باتیں ہیں: ''صحبت اور ذکر''

(۴) صحبت کے لئے سالک کو چاہئے کہ وہ کسی ایسے اہل اللہ سے اپنے تزکیۂ باطن اور اصلاح نفس کے لئے تعلق قائم کرے جنہیں اللہ ورسول ﷺ کی سچی محبت حاصل ہو اور اس میں ان کو رسوخ حاصل ہو۔ نیز وہ صالح ہونے کے ساتھ مصلح بھی ہوں، خود کسی بزرگ سے

اپنی تربیت کرائی ہواور اصلاح وتربیت کی ان کی صلاحیت پران کے کسی بڑے نے اعتماد کیا ہواور انہیں دوسروں کی راہنمائی کی اجازت دی ہو۔ چاہے وہ عالم دین نہ ہوں لیکن دین وشریعت کا ضروری علم رکھتے ہوں اوراس پرعمل کرنے کا پورا اہتمام کرتے ہوں۔ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ طالب کو ان بزرگ سے پوری مناسبت ہوتا کہ وہ ان کی تعلیمات پر بلا غیرضروری سوالات، اشکالات، جرح اوررد وقبول کےعمل کر سکے۔ جب وہ کسی بزرگ سے ایسا تعلق قائم کرلےتو استفادہ کی نیت سےان کی صحبت اٹھانے کاحتی الامکان اہتمام کرے تا کہ ان کی صحبت کی برکت سےاس کے دل میں اللہ ورسول ﷺ کی محبت پیدا ہوجائے جواس کی اصلاح کا ذریعہ بن سکے۔

(۵) صحبت کے اہتمام کے ساتھ سالک اللہ کے ذکر کرنے کا اہتمام کرے،اورانہیں اذکار،اوراداوراشغال کواختیار کرے جواس کے شیخ نے اسے تلقین کی ہوں۔اصولی بات ہے کہ شیخ کے ذریعہ تلقین کئے ہوئے اذکار اصلاح کے لئے زیادہ نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ طالب اپنے طور پراپنے لئے ذکر تجویز نہ کرے۔اسے چاہئے کہ اس کے ذکر کا جومعمول ہواس پراستقامت اختیار کرےاورتوجہ کے ساتھ اس طرح ذکر کرے کہ ذکر کے جوکلمات وہ زبان سے ادا کررہا ہےان الفاظ کے معانی اور مطلب کی طرف اس کے دل ودماغ کی پوری توجہ ہو۔

(٦) صحبت وذکر کے جواثرات طالب میں پیدا ہوتے ہیں انہیں دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: اول اس کے اندر نیک صفات پیدا ہوں،اوردوم اس سے بری عادتیں اور خصلتیں چھوٹتی جائیں۔سالک کو چاہئے کہ وہ اس پر پوری نگاہ رکھے کہ اس کے اندر یہ دونوں باتیں کیسے رونما ہورہی ہیں۔ساتھ ہی وہ ان کی حفاظت کی پوری فکراورکوشش کرے۔ اسے چاہئے کہ وہ ان کے بارے میں ضرورت کے مطابق اپنے شیخ کو باخبر رکھےاوران کے مشورے پرعمل کرے۔

(۷) صحبت وذکر کے اثرات کو پیدا کرنے اوران کی حفاظت کی فکر کے ساتھ ساتھ سالک کواس بات کا بہت اہتمام کرنا چاہئے کہ وہ ایسی ہر بات سے بچے جس سے اس کے

اندر پیدا ہونے والے نیک اثرات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔اس میں گناہوں سے بچنا سب سے اہم ہے۔اس کے علاوہ اس میں غفلت پیدا کرنے والی صحبت،حرام غذا ولباس،زبان کی بے احتیاطی،اپنے شیخ سے بے اعتمادی اور نفس کے سامنے کمزوری کے ساتھ سپر ڈال دینے کی سب باتیں داخل ہیں۔

(۸) صحبت وذکر کی برکت سے اپنے اندر پیدا ہونے والی خوشگوار تبدیلی پر سالک کو مطمئن نہیں ہوجانا چاہئے کہ جس وقت وہ اپنے آپ کو کسی لائق سمجھ لیتا ہے اسی وقت وہ باطنی ترقی سے رک جاتا ہے۔اسے چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو حقیر وکمتر سمجھ کر اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔

(۹) اگر سالک اپنی کسی اخلاقی برائی کو دور کرنے میں کامیاب بھی ہوجاتا ہے تو بھی اسے یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ اخلاقی مرض دوبارہ پلٹ سکتا ہے اور اسے غافل پاکر پھر اس کے دل میں جگہ بنا سکتا ہے۔

(۱۰) سالک کو اس بات کا نہایت اہتمام کے ساتھ استحضار رکھنا چاہئے کہ اپنی اصلاح کے معاملے میں اس کی اپنی کوشش ہی سب سے زیادہ مددگار ہوتی ہے۔اصلاح کا بوجھ اپنے شیخ پر ڈال دینا اور خود سستی اختیار کرنا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے۔

(۱۱) آخری اور سب سے اہم بات سالک کو اپنے مدنظر یہ رکھنی چاہئے کہ وہ اگرچہ شیخ کی رہنمائی اور اپنی کوشش کو اپنے لئے بہت ضروری سمجھے لیکن وہ یہ نہ بھولے کہ حقیقتاً اس کی کامیابی صرف اور صرف اللہ کے فضل پر منحصر ہے۔اسے چاہئے کہ وہ شیخ کی رہنمائی اور اپنی کوششوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے ایک بے سہارا انسان کی طرح اللہ کی طرف رجوع کرے اور اسی سے اپنے لئے ہدایت،حمایت اور حفاظت کا طلب گار ہو،اللہ تعالیٰ سے اہتمام کے ساتھ دعا کرتا رہے اور گریہ وزاری میں مشغول ہوتا کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کی کوششوں کو شرف کامیابی عطا فرمائیں۔کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔

مراجع

۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی ۔ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ (لکھنؤ: مکتبۂ اسلام، ۲۰۰۵ء)، چھٹا ایڈیشن۔

۲۔ عمران فاروق رائے پوری۔ فیوضات رائے پوریؒ (فیصل آباد: مجلس رائے پوری، ۲۰۰۳ء)۔

۳۔ مفتی محمد سلیمان صاحب خوشحالپوری۔ مختصر حالات زندگی: حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری (خوشحالپور: مکتبہ حمیدیہ، ۲۰۰۳ء)۔

۴۔ مولانا محمد عبداللہ۔ ارشادات قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ (سہارنپور: کتب خانہ اختری، ۱۹۹۹ء)۔

۵۔ مولانا محمد منظور نعمانی۔ تصوف کیا ہے؟۔ (لکھنؤ: مکتبہ الفرقان، ۲۰۰۰ء)۔